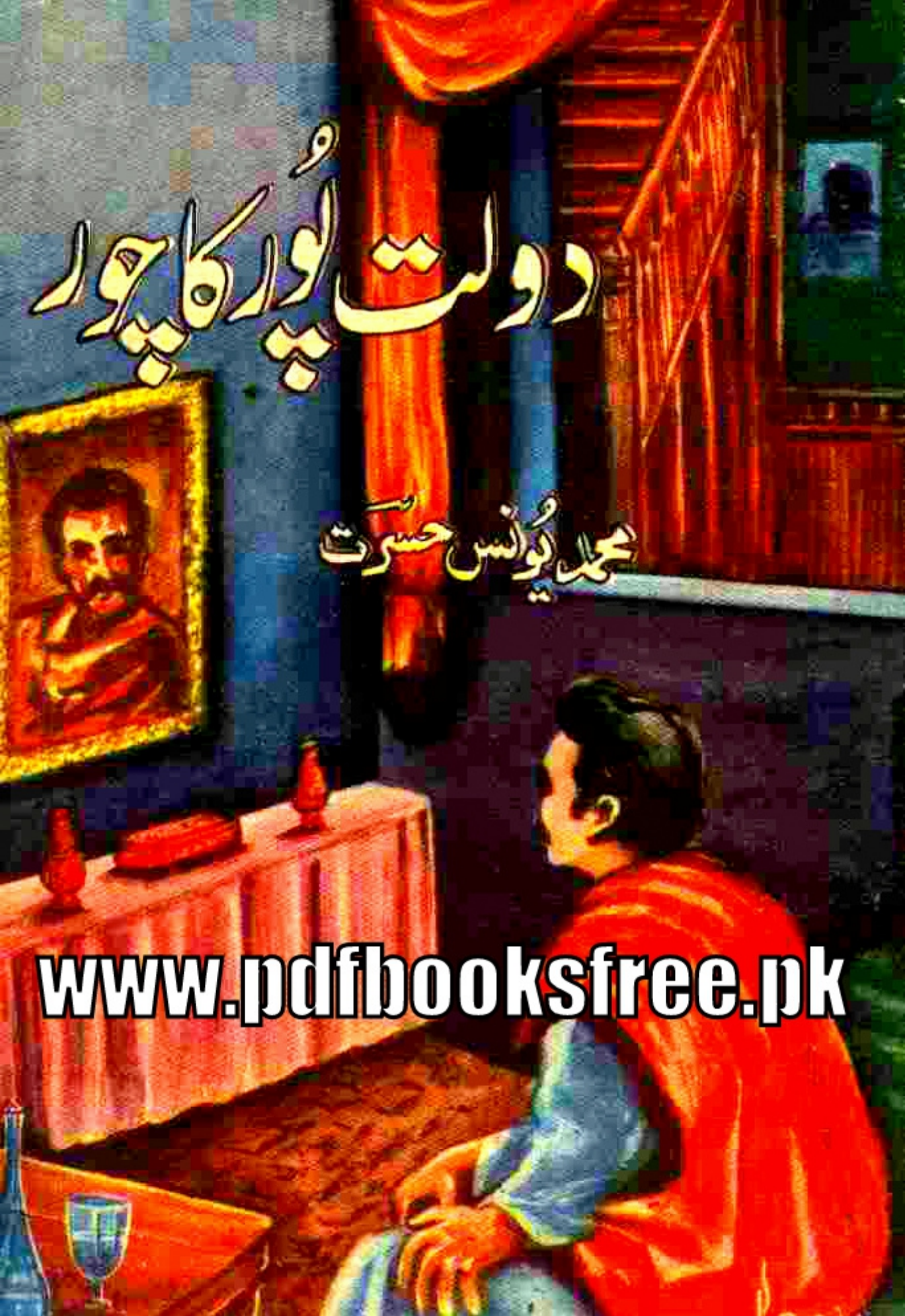
دولت پور کا چور
محمد یونس حسرت
www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ

طابع شیخ نیاز احمد
مطبع علمی پرنٹنگ پریس، لاہور
قیمت تین روپے پچاس پیسے

مقام اشاعت
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
ادبی مارکیٹ۔ چوک انارکلی۔ لاہور

Courtesy of
www.pdfbooksfree.pk

و خان بہادر کی تصویر
و تصویر اور بیگم
و چور اور چوکیدار
و اجنبی مہمان
و چوری کا منصوبہ
و تصویر اور فریم
و واردات
و تحقیقات
و سر کٹا بھوت

www.pdfbooksfree.pk

خان بہادر کی تصویر

خان بہادر عظمت علی خاں اپنے علاقے کی مشہور و معروف اور مقبول شخصیت تھے۔ پورے علاقے میں ان کی نیک دلی اور خدا ترسی کی شہرت تھی۔ امیر، غریب، چھوٹے بڑے سب کے ساتھ ان کا سلوک بڑا اچھا تھا۔ جس کسی کو بھی کوئی مشکل آتی تھی، وہ خان بہادر کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور خان بہادر اس کی مشکل آسان کرنے کے لئے اپنی بساط اور ہمت کے مطابق کچھ نہ کچھ ضرور کرتے تھے۔

خان بہادر کا سرکار دربار میں بھی بڑا اثر رسوخ تھا۔ اپنے اثر رسوخ سے کام لیتے ہوئے انہوں نے علاقے میں نہر نکلوا دی تھی جس کی وجہ سے سارے علاقے میں خوشحالی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ پکی سڑک کا پختہ ہونا بھی انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ ہسپتال لڑکوں کا مڈل سکول اور لڑکیوں کا پرائمری سکول بھی انہی کی کوشش سے جاری ہوا تھا۔ ان سب کاموں پر رقم تو حکومت کی طرف سے ہی خرچ ہوئی تھی لیکن نیک نامی خان بہادر کی ہوئی تھی۔ اسی لئے علاقے کے سب لوگ ان کی

Courtesy of
www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk

بڑی عزت کرتے تھے۔

خان بہادر کی تعلیم تو کچھ زیادہ نہیں تھی لیکن اپنی خداداد قابلیت سے انہوں نے اپنے لئے وہ مقام پیدا کر لیا تھا جو بڑے بڑے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کو نصیب نہیں ہو سکا تھا۔ جب دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو انہوں نے جنگی فنڈ میں کئی ہزار روپے چندہ دیا۔ علاقے کے لوگوں سے بھی خاصی معقول رقم جمع کر کے جنگی فنڈ میں دی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے علاقے سے ایک نہ دو، پورے پانچ سو جوان فوج میں بھرتی کرائے۔ اسی وجہ سے سرکار نے انہیں خان بہادر کا خطاب دیا تھا اور اس کے ساتھ پچاس مربعے زمین بھی۔

خان بہادر تو ویسے ہی اپنی آبائی جانداد اور ذاتی اثر رسوخ کے لحاظ سے علاقے کی با اثر شخصیت شمار ہوتے تھے۔ خطاب اور جاگیر ملنے کے بعد تو ان کا اثر رسوخ اور بھی بڑھ گیا۔ خطاب اور جاگیر کے علاوہ سرکار کی طرف سے ان کی مزید عزت افزائی یوں ہوئی کہ انہیں علاقے کا آنریری مجسٹریٹ بنا دیا گیا۔

یہ خان بہادر کے لئے بہت بڑا اعزاز تھا اور انہوں نے اپنی ذاتی قابلیت سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو اس اعزاز کا مستحق بھی ثابت کر دکھایا۔ لیکن لطیفہ یہ ہوا کہ آنریری مجسٹریٹ کا مشکل لفظ علاقے کے ان پڑھ لوگوں کی زبان پر چڑھ کر کچھ کا کچھ ہو گیا اور خان بہادر پورے علاقے میں آنریری مجسٹریٹ کی بجائے "ہینری مجسٹریٹ" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

ایک لحاظ سے یہ لقب ان کے حسبِ حال بھی تھا کیونکہ اُن کے سامنے جو مقدمے پیش ہوتے تھے، وہ ان کے فیصلے بالکل "ہینری" یعنی آندھی کی طرح کرتے تھے۔ یا تو دس سال قید یا صاف بری۔ شاید ایک دو سال قید کا حکم دینا تو وہ اپنی شان ہی نہیں سمجھتے تھے۔

پھر علاقے کے لوگوں میں یہ تحریک شروع ہوئی کہ خان بہادر نے علاقے کی بھلائی اور بہبودی کے لئے جو کام کئے ہیں، ان کے اعتراف کے طور پر علاقے کے لوگوں کی طرف سے انہیں کوئی یادگار تحفہ پیش کیا جائے۔ یہ بات ویسے تو خان بہادر کے خاص چمچوں اور خوشامدیوں کی طرف سے شروع کی گئی تھی لیکن آہستہ آہستہ سارا علاقہ اس کے لئے تیار ہو گیا۔

چنانچہ اس مقصد کے لئے چندہ اکٹھا ہونے لگا۔ ابھی تک اس بات کا فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ وہ تحفہ کیا ہو۔ اس بارے میں مختلف لوگوں کی مختلف رائیں تھیں۔ آخر مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر نے یہ رائے دی کہ کسی نامی گرامی مصور سے خان بہادر کی تصویر بنوانی چاہیئے۔ اس تجویز پر جلد ہی سب لوگوں نے

www.pdfbooksfree.pk

اتفاق رائے کر لیا۔ چنانچہ دس پڑھے لکھے آدمیوں کی ایک کمیٹی بنا کر یہ کام اس کے سپرد کر دیا گیا۔ مڈل سکول کا ہیڈ ماسٹر اس کمیٹی کا صدر تھا۔

اب مسئلہ یہ تھا کہ تصویر کسی مصور سے بنوائی جائے۔ کمیٹی میں سے دو تین اشخاص نے یہ رائے دی کہ تصویر استاد اللہ بخش یا چغتائی سے بنوانی چاہیئے کیونکہ وہ ملک کے نامی گرامی مصور شمار ہوتے ہیں اور سارے ملک میں ان کے فن کی دھوم مچی ہوئی ہے۔

ہیڈ ماسٹر اس تجویز کے خلاف تھا۔ اس نے کہا کہ چغتائی یا استاد اللہ بخش سے تصویر کی بجائے تو بہتر یہی ہے کہ آدمی کسی چوتی والے فوٹو گرافر سے فوٹو کھنچوا لے۔ ٹھیک ہے کہ یہ مصور بہت مشہور ہیں لیکن یہ پرانے خیال کے مصور ہیں۔ ہمیں تو ایسی تصویر چاہیئے کہ لوگ اسے دیکھیں اور یاد کریں۔

اس کے بعد ہیڈ ماسٹر نے خود ہی جلالی کا نام لیا اور اس کا تھوڑا سا حال بھی بیان کیا۔ اس نے بتایا کہ جلالی کوئی چھوٹا موٹا مصور نہیں۔ وہ ایم۔ اے پاس ہے۔ جیسے اگلے وقتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے کسی خاص بندے کو ایک دم نبی بنا دیتا تھا۔ اسی طرح اس نے جلالی کو مصور بنا دیا ہے۔ اپنی ساری زندگی اس نے کبھی برش اور رنگوں کے ڈبے کی شکل

تک نہیں دیکھی تھی۔ لیکن ایک رات جیسے خدا نے مصوری کے لیئے اس کا سینہ کھول دیا اور صبح جب وہ اٹھا تو سولہ آنے مصور بن چکا تھا۔

کمیٹی میں سے ایک شخص نے کہا کہ بھئی کیا خوبی ہے اس مصور میں؟ ہم نے تو اس سے پہلے کبھی اس کا نام بھی نہیں سنا۔

اس پر ہیڈ ماسٹر نے بتایا کہ جلالی کے فن کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ تصویروں میں جان ڈال دیتا ہے۔ اچھا بھلا آدمی اس مغالطے میں پڑ جاتا ہے کہ اس کے سامنے تصویر نہیں، کوئی جیتی جاگتی ہستی کھڑی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے فن کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کی بنائی ہوئی تصویر ان جذبات اور خیالات کو بھی باہر لے آتی ہے جو اس شخص کے سینے کے اندر ہوتے ہیں اور جن کو وہ دوسروں سے چھپاتا رہتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جب جلالی کسی کی تصویر بنانے لگتا ہے تو اس کا سارا وجود شیشے کی طرح اس کے سامنے آ جاتا ہے۔

ہیڈ ماسٹر نے یہ بھی بتایا کہ جلالی اس ملک میں مجرد آرٹ کا سب سے بڑا مصور ہے۔ اس پر کمیٹی کے کئی آدمی بڑے حیران ہوئے اور انہوں نے حیرت سے کہا کہ مجرد تو کنوارے کو کہتے ہیں۔ یہ کنوارا آرٹ کیا بلا ہوئی؟ کیا اب آرٹ بھی کنوارے اور شادی شدہ ہونے لگے ہیں؟

www.pdfbooksfree.pk

اس بات پر ایک اچھا خاصا قہقہہ پڑا۔ تاہم ہیڈ ماسٹر نے انہیں بڑی تفصیل سے سمجھایا کہ مجرد آرٹ موجودہ دور کے مصوروں میں بہت مقبول ہے لیکن اسے سمجھنے والا کوئی کوئی ہے۔ پرانا آرٹ اس کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا — اور جلالی اس آرٹ کا گاماں پہلوان ہے۔

ہیڈ ماسٹر نے اور بھی بہت سی باتیں کیں۔ کوئی سمجھا، کوئی نہ سمجھا۔ لیکن یہ سارے ہی مان گئے کہ ہیڈ ماسٹر بہت سمجھ دار ہے اور کمیٹی کے باقی سب ممبروں سے کہیں زیادہ عقل مند ہے۔ چنانچہ کمیٹی نے اس کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ جلالی سے مل کر خان بہادر کی تصویر بنوانے کا معاملہ خود ہی طے کرے۔

ہیڈ ماسٹر لاہور پہنچا اور وہاں جلالی سے مل کر بات کی۔ جلالی خاصا مصروف مصوّر تھا، اس لئے پہلے تو اس نے صاف انکار کر دیا لیکن پھر کچھ سوچ کر ہامی بھر لی۔ پانچ ہزار روپے معاوضہ طے پایا اور اس کے ساتھ جلالی نے کچھ شرطیں بھی عائد کر دیں۔ پہلی شرط یہ تھی کہ تصویر بنوانے کے لئے خان بہادر کو خود اپنے خرچ پر جلالی کے سٹوڈیو میں آنا پڑے گا۔ دوسری شرط یہ تھی کہ لوگوں کو دکھائے جانے سے پہلے اس تصویر کی نمائش آرٹس کونسل کی سالانہ نمائش میں ہو گی۔ جلالی نے یہ دوسری شرط اس لئے رکھی تھی کہ اس نمائش میں اوّل آنیوالی

تصویر کو خاصا بھاری انعام ملتا تھا۔ بہرحال اس کی یہ دونوں شرطیں مان لی گئیں۔

خان بہادر کوئی ایک مہینے تک اپنی تصویر بنوانے کے لئے جلالی کے سٹوڈیو جاتے رہے۔ لیکن جس روز وہ تصویر مکمل کروا کے واپس آئے تو ان کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ کمیٹی کے سارے ممبر بھی تصویر مکمل ہونے کے بعد اس تصویر کو دیکھنے گئے اور سارے کے سارے اسی طرح منہ لٹکائے واپس آئے۔ کسی نے بھی تصویر کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔

آرٹس کونسل میں تصویروں کی سالانہ نمائش منعقد ہوئی۔ شرط کے مطابق جلالی نے خان بہادر کی تصویر بھی اس نمائش میں رکھی تھی۔ فن کے قدردانوں نے اس تصویر کو دیکھا اور سر پر اٹھا لیا۔ ایک بہت بڑے شخص نے کہا کہ یہ تصویر آرٹ کے نئے دور کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ یہ تصویر اور اس کے ساتھ جلالی اور خان بہادر کے نام رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ تصویر کو جو دیکھتا تھا، بس دیکھتا ہی رہ جاتا تھا۔

فن مصوّری کے قدردان اس تصویر کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔ انہوں نے خان بہادر اور کمیٹی کے ممبروں کو اس بات کا یقین دلانے کی کوشش کی کہ

www.pdfbooksfree.pk

خان بہادر کی تصویر ایک یادگار اور شاہکار تصویر ہے۔ اس کے ساتھ کی تصویر نہ پہلے کبھی بنی ہے اور نہ آئندہ کبھی بنے گی۔ لیکن ان تعریفی الفاظ سے نہ خان بہادر کو اطمینان ہوا نہ کمیٹی کے ممبروں کو۔ ہیڈ ماسٹر نے بھی کمیٹی کے دوسرے ممبروں کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی۔ خان بہادر کی تصویر ایک لاجواب تصویر ہے۔ لیکن یوں لگتا تھا۔ جیسے اسے خود اپنی بات کا یقین نہیں تھا۔ اس تصویر کی جس طرح اور جس رنگ میں تعریف کی جا رہی تھی۔ وہ ان کے لئے خوشی کا نہیں، پریشانی کا باعث بن رہی تھی۔ وہ ان تعریفوں کو سُن سُن کر ایک عجیب سی تشویش میں مبتلا ہو گئے تھے۔

خان بہادر کی تصویر کی یہ تعریف صرف آرٹس کونسل کی سالانہ نمائش دیکھنے والوں کے تعریفی کلمات تک محدود نہیں رہی تھی بلکہ اخباروں اور رسالوں میں اس کے متعلق مضمون شائع ہونے لگے تھے ـــــ اور ان مضامین میں خان بہادر کی تصویر کے حوالے سے جلالی کے فن کی بے تحاشا داد دی جا رہی تھی۔

ایک رسالے نے لکھا کہ جلالی نے خان بہادر عظمت علیخاں کی تصویر ہی نہیں بنائی بلکہ وہ ان کے کردار کو بھی کینوس پر

لے آیا ہے۔ ایک اور رسالے نے لکھا کہ جلالی کا مشاہدہ پہلے سے سو گنا زیادہ تیز اور بے رحم ہو گیا ہے۔ یہ مشاہدہ پہلے سے ہزار گنا گہرا اور اس کی کاٹ بے پناہ ہو گئی ہے۔ ایک اور اخبار نے رائے ظاہر کی کہ جلالی نے خان بہادر کی تصویر بنا کر اپنے فن کو زندہ جاوید کر دیا ہے۔ آنے والی نسلیں اس تصویر کو دیکھ کر جلالی کے فن کی بلندیوں کا اندازہ کیا کریں گی۔

علاقے کے بہت سے لوگ تصویر کا چرچا سن کر تصویر دیکھنے کے لئے نمائش میں گئے اور تصویر دیکھ کر دانتوں تلے انگلیاں دبے کر رہ گئے۔ نزدیک سے دیکھنے پر وہ تصویر رنگوں کا ایک بے تکا مجموعہ نظر آتی تھی۔ جب ذرا دور ہو کر اس پر نگاہ ڈالی جاتی تو اس کے نقوش یوں اجلے اور صاف ہو جاتے تھے جیسے اس میں جان پڑ گئی ہو ـــــ!

لیکن اصل خان بہادر اور ان کی تصویر میں کیا فرق تھا؟ لوگوں کو ویسے تو کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا تھا، لیکن جیسی یہ تصویر تھی، خان بہادر اس قسم کے کبھی نظر نہیں آئے تھے ـــــ اور تصویر میں کیا نظر آتا تھا؟ ایک گٹھے ہوئے جسم اور پستہ قد کا شخص، پتلے پتلے ہونٹ اور سفید داڑھی۔ جس کی آنکھوں سے کمینگی ٹپکتی تھی۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسے جذبات تھے جن سے دیکھنے والوں کو ایک کراہت سی محسوس ہوتی تھی ـــــ!

www.pdfbooksfree.pk

ویسے تو کوئی بھی صاف اور واضح طور پر اس کا اظہار نہیں کر سکتا تھا لیکن تصویر کو دیکھ کر علاقے کے کتنے ہی لوگوں کو افسوس ہوا — اپنی جیب پر یا خان بہادر پر نہیں بلکہ ان کی بیگم پر۔ وہ بچاری ایک سیدھی سادی گھریلو عورت تھی۔ اسے یہ تصویر دیکھ کر دکھ ہونا ایک یقینی بات تھی۔ وہ تو شاید یہی خیال کرے کہ یہ تصویر خان بہادر کی ہے ہی نہیں — بس چہرے مہرے کی ذرا سی مشابہت ہے!

بہر حال تصویر جیسی بھی تھی، بن چکی تھی۔ اسے جلالی کا بہترین شاہکار قرار دیا گیا تھا اور اسے نمائش کا پہلا انعام بھی ملا تھا — اخباروں اور رسالوں میں اس کے متعلق تعریفی مضامین بھی شائع ہو چکے تھے۔ اس لئے خان بہادر، ہیڈ ماسٹر کمیٹی کے کسی رکن یا علاقے کے کسی شخص نے تصویر کے متعلق اپنے دلی جذبات کا اظہار نہیں کیا بلکہ وہ بھی اوپر کے دل سے تعریف کرنے والوں کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔

یہ یادگار اور شاہکار تصویر خان بہادر کو پیش کرنے کے لئے ایک بہت بڑا جلسہ ہوا۔ ڈپٹی کمشنر اس جلسے کے صدر تھے۔ شاعروں نے خان بہادر کی تعریف میں نظمیں کہیں، قصیدے پڑھے۔ کمیٹی کے ممبروں نے ایک ایک کر کے خان بہادر کی خدمات گنوائیں۔ آج تک علاقے کی ترقی اور خیر خواہی کے لئے جو بھی سرکاری یا غیر

سرکاری کام ہوا تھا، اس کا سہرا خان بہادر کے سر باندھا گیا۔ اس کے بعد ڈپٹی کمشنر نے خود اپنے ہاتھوں سے تصویر کا تحفہ خان بہادر کی خدمت میں پیش کیا اور اپنی مختصر سی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ یہ تصویر علاقے کے لوگوں کی طرف سے عقیدت اور محبت کا ایک پُر خلوص اظہار ہے اور یہ تصویر خان بہادر کو ہمیشہ اس عقیدت اور محبت کی یاد دلاتی رہے گی جو ان کی ذات کے لئے علاقے کے ہر شخص کے دل میں ہے۔

اس کے بعد خان بہادر نے اپنی جوابی تقریر میں لوگوں کا شکریہ ادا کیا اور اس بات کا اظہار کیا کہ وہ اس تصویر کو اپنے خاندان کی سب سے زیادہ قیمتی یادگار سمجھیں گے۔ یہ تقریر کرتے ہوئے ان کے چہرے سے ناگواری یا کراہت بالکل ظاہر نہیں ہو رہی تھی بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس تصویر کو پا کر انہیں جتنی خوشی ہوئی ہے، اس سے زیادہ خوشی انہیں آج تک کسی موقع پر نہیں ہوئی۔

اور تب سے یہ تصویر خان بہادر کی حویلی کی زینت بنی ہوئی تھی

---

www.pdfbooksfree.pk

تصویر اور بیگم

خان بہادر کو تصویر کے متعلق لوگوں کے حقیقی دلی جذبات کا بالکل پتا نہ تھا۔ کسی نے کبھی دبی دبی زبان سے بھی اس تصویر کے متعلق ناگواری یا ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ نہ آپس میں اور نہ خان بہادر کے روبرو۔ اس لئے خان بہادر دل میں تصویر سے ناگواری محسوس کرنے کے باوجود سمجھتے تھے کہ یہ تصویر علاقے کے ہر فرد کی محبت اور عقیدت کا نشان ہے۔

البتہ خان بہادر کی بیگم نے پہلے روز ہی اس تصویر کو دیکھ کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا تھا۔ تصویر کو حویلی میں آویزاں ہوئے دو برس ہونے کو آئے تھے اور ان دو برسوں میں ایک دن بھی ایسا نہیں آیا تھا جبکہ بیگم نے اس تصویر سے بیزاری ظاہر نہ کی ہو۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ بیگم کی یہ بیزاری بڑھتی جا رہی تھی اور اب تو اس نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ اگر یہ تصویر اسی طرح حویلی میں موجود رہی تو میں اسے دیکھ دیکھ کر پاگل ہو جاؤں گی!

"پاگل تو تم پہلے ہی ہو!" خان بہادر نے کہا۔ "ورنہ ایسی بات کبھی نہ کہتیں۔ تمہیں پتا نہیں کہ یہ تصویر ہمارے لئے کیا قدر و قیمت رکھتی ہے۔ مجھے تو کوئی ایک لاکھ روپیہ دے، تب بھی یہ تصویر نہ دوں!"

کہنے کو تو خان بہادر نے یہ بات کہہ دی لیکن خود انہیں بھی معلوم تھا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ انہیں تو خود بھی اس تصویر سے بیزاری تھی اور یہ بیزاری بڑھتے بڑھتے نفرت کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ لیکن وہ کھلے بندوں اس کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ لوگوں کی دل شکنی کے خیال سے انہوں نے کبھی اس تصویر کے متعلق اپنی ناپسندیدگی یا ناگواری کا اظہار نہیں کیا تھا۔ یہی کیفیت علاقے کے لوگوں کی تھی۔ خان بہادر کی تصویر دل سے کسی کو بھی پسند نہیں آئی تھی، لیکن کوئی بھی اپنی اس ناگواری کا اظہار کر کے خود کو خان بہادر کی نظروں سے نہیں گرانا چاہتا تھا۔

چنانچہ جب بھی کوئی شخص کسی کام سے یا محض سلام کے لئے حویلی میں حاضر ہوتا تھا تو تصویر کی تعریف کرنے کے علاوہ اس پر چنبیلی کے پھولوں کا تازہ ہار بھی ضرور ڈالتا تھا۔ بالکل ایسے جیسے لوگ مقدس مزاروں پر پھول چڑھاتے ہیں۔ یہ ایک عجیب و غریب صورتِ حال تھی۔ تصویر کسی کو

www.pdfbooksfree.pk

بھی پسند نہیں تھی لیکن اپنی جگہ ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ اس کے سوا یہ تصویر ہر شخص کو پسند ہے، اس لئے وہ تصویر کی تعریف صرف اس لئے کرتا تھا کہ خان بہادر اور دوسرے لوگوں کی نظروں میں اس کا بھرم قائم رہے —— صرف خان بہادر کی بیگم کی ذات وہ واحد ہستی تھی جس نے پہلے ہی روز تصویر کے متعلق اپنے حقیقی دلی جذبات کا اظہار کر دیا تھا۔

لیکن خان بہادر اس معاملے میں مجبور اور بے بس تھے۔ روزانہ بیسیوں لوگ ان سے ملنے آتے تھے۔ سب کی نظریں اس تصویر پر پڑتی تھیں۔ سب اس کی تعریف کر کے جاتے تھے۔ علاقے کا دورہ کرنے والے چھوٹے بڑے سرکاری افسر اور اہلکار ان کی حویلی میں آکر ٹھہرتے تھے۔ وہ بھی اس تصویر کی تعریف کر کے جاتے تھے۔ انہیں تو خان بہادر کا دل رکھنا مقصود ہوتا تھا اور خان بہادر ان کا دل رکھنے کی خاطر اس بات پر مجبور تھے کہ یہ تصویر ان کی حویلی میں نمایاں ترین مقام پر آویزاں رہے۔ محض بیگم کی ناگواری کی خاطر وہ اس تصویر کو وہاں سے نہیں ہٹا سکتے تھے اس لئے کہ یہ تصویر ان کے نزدیک علاقے کے لوگوں کی محبت اور عقیدت کی علامت تھی۔

لیکن بیگم کی بیزاری اب انتہائی حدوں کو چھونے لگی تھی۔

"میں آپ سے صاف صاف کہے دیتی ہوں" ایک روز

بیگم نے بڑے جلے بھنے انداز میں کہا "اس حویلی میں یا تو یہ تصویر رہے گی یا میں"

"اس تصویر کو تو میں یہاں سے نہیں ہٹا سکتا بیگم!" خان بہادر نے بے بسی سے کہا "میں اس معاملے میں مجبور ہوں"

"تو پھر کسی دن تمہیں مجھے یہاں سے لے جا کر پاگل خانے داخل کرانا پڑے گا۔ میں صاف صاف کہے دیتی ہوں۔ یہ تصویر میری جان لے کر رہے گی"

خان بہادر کا جی چاہا کہ وہ بھی صاف صاف کہہ دیں کہ میں تو خود اس تصویر سے بیزار ہوں اور اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے خطرناک سے خطرناک قدم اٹھانے کے لئے تیار ہوں، لیکن وہ اپنے دل کی بات زبان پر لانے کا حوصلہ کہاں سے لاتے۔ اس کی بجائے انہوں نے بڑی نرمی سے کہا۔

"تمہیں تو اس تصویر سے شاید خدا واسطے کا بیر ہو گیا ہے بیگم! اس تصویر کے متعلق جو باتیں تم کرتی ہو، وہ آج تک کسی نے نہیں کیں۔ جس شخص نے بھی دیکھا ہے، اس تصویر کی تعریف ہی کی ہے"

"آگ لگے اس تصویر کو اور بھاڑ میں جائیں اس کی تعریف کرنے والے!" بیگم نے اور بھی جل بھن کر کہا۔

خان بہادر بیگم کی اس بات کا جواب دینے کی بجائے

www.pdfbooksfree.pk

خاموش ہو رہے۔ وہ بیگم کو بتاتے کہ وہ تو خود اس تصویر کو آگ لگانا چاہتے تھے بلکہ اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے اپنی حویلی تک کو آگ لگا دینے کے بارے میں ایک بار نہیں، کئی بار سوچ چکے تھے۔

لیکن بیگم نے تو اپنے جذبات کا برملا اظہار کر دیا تھا۔ وہ اپنے جذبات کا برملا اظہار کیسے کرتے؟ یہ تصویر تو ان کی زندگی کی بہت بڑی مجبوری بن گئی تھی۔

اور ابھی چند روز بعد اس مجبوری کا ایک عظیم الشان مظاہرہ نہایت دھوم دھام سے ہونے والا تھا۔

خان بہادر کی کوششوں سے محکمہ تعلیم اس بات پر رضامند ہو گیا تھا کہ لڑکوں کے مڈل سکول کو ہائی سکول کا درجہ دے دیا جائے۔ علاقے کے لوگوں نے مل جل کر اپنی مدد آپ کے اصول کے تحت سکول کی عمارت کے لئے دو مزید کمرے تعمیر کر دیئے تھے اور اب ایک اعلیٰ سرکاری افسر اس کا افتتاح کرنے کے لئے آ رہے تھے۔

علاقے کے لوگوں کی طرف سے اس موقع پر ایک عظیم الشان تقریب کا بندوبست کیا گیا تھا۔ گاؤں گاؤں منادی کر کے تقریب کے دن اور وقت کی خبر کر دی گئی تھی، تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس تقریب میں شامل ہو سکیں ـــ اور شامل ہو کر اس کی رونق

بڑھا سکیں۔

اس تقریب سے خان بہادر کی شہرت میں یقیناً اضافہ ہونا تھا، اس لئے وہ خود اپنی گرہ سے رقم خرچ کر کے یہ اہتمام کر رہے تھے کہ یہ تقریب زیادہ سے زیادہ شاندار ہو۔

شہرت میں اضافے کا خیال یقیناً ان کے لئے خوشی کا باعث تھا۔ پہلے ہی پورے علاقے میں ان کی مخیر شخصیت کی دھوم تھی ـــ لیکن موقع پر جس بات سے وہ اندرونی طور پر تکلیف محسوس کر رہے تھے وہ ان کی تصویر سے ہی تعلق رکھتی تھی۔ سکول کی افتتاحی تقریب سادہ ہوتی یا شاندار، خاموشی سے انجام پاتی یا نہایت دھوم دھام سے، اس تقریب میں خان بہادر کی تصویر کا انتہائی نمایاں طور پر آویزاں کیا جانا ایک طے شدہ بات تھی

www.pdfbooksfree.pk

چورا ور چوکیدار

چوروں کی اس علاقے میں کوئی کمی نہیں تھی لیکن کرم بخش علاقے کا ایسا چور تھا جو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ مشہور تھا۔ وہ اس وجہ سے مشہور نہیں تھا کہ اس نے بہت بڑی بڑی وارداتیں کی تھیں بلکہ اس کی مشہوری کی اصل وجہ یہ تھی کہ اب تک پولیس ایک بار بھی اسے چوری کے جرم میں گرفتار نہیں کر سکی تھی۔ وہ ایسا کائیاں تھا کہ بعض دفعہ پولیس کو بھی بے وقوف بنا جاتا تھا۔

کرم بخش یوں تو دولت پور کا رہنے والا تھا لیکن حقیقت میں وہ اس قسم کے لوگوں میں سے تھا جن کا کوئی مستقل گھر ہوتا ہے نہ گھاٹ۔ اس کے پاس ایک گدھا گاڑی تھی۔ یہ گدھا گاڑی ضرورت کے وقت اس کا گھر بھی بن جاتی تھی اور روزگار کا ذریعہ بھی۔ روزگار کا ذریعہ یوں کہ وہ اپنی چوری کی وارداتوں پر پردہ ڈالنے کے لئے اس گدھا گاڑی سے کرائے پر مال ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کا کام کرتا تھا۔ پھر موقع محل کے مطابق وہ ٹوٹے پھوٹے برتنوں

کی مرمت کرنے والا، کرسیاں اور چارپائیاں بننے والا، سفیدی کرنے والا بلکہ مٹی کی ٹوکری اٹھانے والا مزدور بھی بن جاتا تھا۔

کرم بخش پہلے تو اکیلا ہی یہ کام کرتا تھا لیکن اب کچھ عرصے سے اس نے اپنے نوعمر بھتیجے رحمت کو بھی ساتھ ملا لیا تھا۔ کرم بخش خود تو ادھیڑ عمر کا شخص تھا لیکن رحمت کی عمر مشکل سے تیرہ چودہ سال تھی۔ تاہم وہ کرم بخش کی توقع سے کہیں زیادہ ذہین اور سمجھ دار تھا۔ کئی جانوروں کی بولیاں بول لیتا تھا، دور سے آتے ہوئے آدمی کے قدموں کی چاپ سن کر اسے پہچان لیتا تھا اور پھر اس کی زبان بھی قینچی کی طرح چلتی تھی۔ کرم بخش کو یقینی طور پر توقع تھی کہ اس کا بھتیجا کسی روز اس سے بھی بازی لے جائے گا۔

شام ہو رہی تھی۔ گدھا بڑے آرام سے جا رہا تھا۔ کرم بخش اور رحمت گدھا گاڑی میں بیٹھے بڑے مزے سے اِدھر اُدھر کی گپیں ہانک رہے تھے

کرم بخش نے ارد گرد نظر ڈالتے ہوئے ایک جگہ درختوں کے جھنڈ کے قریب گدھا گاڑی روک لی اور رحمت سے کہنے لگا۔

"یہ جگہ ہمارے ٹھہرنے کے لئے بہت مناسب رہے گی۔

www.pdfbooksfree.pk

دریا اور جنگل دونوں پاس ہی ہیں۔ میں ذرا کھانے وغیرہ کا بندوبست کرتا ہوں۔ تم اتنے میں گدھے کو دریا سے پانی پلا لاؤ۔ آتے ہوئے جنگل سے دو چار لکڑیاں لیتے آنا"

"بہت اچھا چاچا!" رحمت نے گدھا گاڑی سے اُتر کر گدھے کو کھولتے ہوئے کہا۔

"زیادہ دیر نہ لگانا"

"تم فکر نہ کرو چاچا" رحمت نے کہا" ابھی گیا اور ابھی آیا"

رحمت نے گدھے کو گاڑی سے کھول کر اس کی رسّی تھامی اور لے کر دریا کی طرف چل دیا۔ ڈبّو چونکہ رحمت کے ساتھ زیادہ مانوس تھا۔ اس لئے وہ بھی ساتھ ہو لیا۔ شاید پیاس اُسے بھی لگی ہوئی تھی۔

رحمت کے جانے کے بعد کرم بخش نے پھر اِدھر اُدھر دیکھا۔ مٹی کے دو تین بڑے بڑے ڈھیلے لے کر اس نے ایک عارضی چُولھا بنایا اور پھر گھاس پھوس جمع کر کے آگ روشن کی۔ سالن تو دوپہر کا ہی پکا رکھا تھا۔ صرف گرم کرنے کی بات تھی۔ پکی ہوئی روٹیاں بھی ایک رومال میں بندھی رکھی تھیں سالن اور روٹیاں گرم کرنے کے بعد کرم بخش نے کچھ دیر انتظار کیا۔ رحمت ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ بظاہر اُسے گدھے کو پانی پلانے کے لئے اتنا وقت نہیں چاہیئے

تھا۔ پھر کرم بخش نے سوچا کہ رحمت جنگل سے کچھ زیادہ ہی لکڑیاں جمع کرنے کے چکر میں پڑ گیا ہو گا۔

چنانچہ اس نے آدھا سالن ایک رکابی میں ڈالا اور روٹی کھانے لگا۔ کُل چار روٹیاں تھیں۔ دو روٹیاں کھا کر اس نے ایک بڑا سا ڈکار لیا، پھر رکابی صاف کر کے ایک طرف رکھ دی اور جیب سے ایک آدھ جلا سگریٹ نکال کر سُلگا لیا۔

سگریٹ کا ایک کش لگا کر اس نے گھبراہٹ سے پھر اِردگرد دیکھا۔ رحمت ابھی تک نہیں آیا تھا۔ اب تک تو اسے آ جانا چاہیئے تھا۔ اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا، اس لئے اس نے گاڑی سے لالٹین نکال کر روشن کر لی۔

کچھ دیر بعد اس نے لالٹین کی روشنی میں پھر اِدھر اُدھر دیکھا رحمت کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اسے اتنی دیر تو نہ لگانی چاہیئے تھی۔

اچانک اُسے اپنے پیچھے ایک خوفناک آواز سنائی دی اور وہ اچھل پڑا۔ لالٹین اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچی۔ دوسرے لمحے رحمت کا ہنستا مسکراتا چہرہ اس کے سامنے موجود تھا۔ لکڑیوں کا ایک چھوٹا سا گٹھا اس نے کندھے پر اٹھا رکھا تھا۔

"اوہ رحمت! تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا" کرم بخش نے لالٹین ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk

رحمت نے لکڑی کا گٹھا زمین پر رکھ دیا۔ کرم بخش نے اس میں سے دو تین پتلی پتلی لکڑیاں نکالیں اور انہیں چھوٹا چھوٹا کر کے چولھے میں ڈال دیا۔ رحمت نے اِدھر اُدھر سونگھتے ہوئے سالن کی ہنڈیا کی طرف دیکھا اور کہا۔

"یہ سالن سے تو بڑے مزے کی خوشبو آ رہی ہے۔"

"تمہارا حصّہ ہنڈیا میں موجود ہے" کرم بخش نے کہا "ذرا دوبارہ گرم کر لو"

رحمت نے سالن کی ہنڈیا کو دوبارہ گرم ہونے کے لئے چولہے پر رکھ دیا، نیچے آگ ذرا تیز کر دی۔ مسالوں کی خوشبو اٹھی تو وہ جھوم سا گیا۔

"آہا ہا! آہا ہا!"

"گدھا کہاں ہے؟" اچانک کرم بخش نے کہا

"ابھی آ جاتا ہے" رحمت نے جواب دیا "میں نے پانی پلانے کے بعد اُسے ذرا گھاس واس چرنے کے لئے چھوڑ دیا تھا تاکہ وہ بھی اپنا پیٹ بھر لے لیکن تم جانو چاچا! جیسے آدمی دال کو چھوڑ کر گوشت کی طرف لپکتا ہے، اس طرح مجھے یقین ہے کہ ہمارا گدھا بھی جنگل کے گھاس کو چھوڑ کر ہرے بھرے کھیت میں گھس گیا ہو گا۔"

"یہ کیا غضب کیا تم نے!" کرم بخش نے کہا "یہ خان بہادر

کی جاگیر ہے اور اس کا چوکیدار شیر خاں کہیں آس پاس ہی چکر لگا رہا ہو گا۔ اٹھو جلدی سے لے آؤ گدھے کو۔ اس کا پیٹ اور کئی طرح سے بھر سکتا ہے۔ اٹھو، کھانا بعد میں کھانا۔"

"تم تو یونہی فکر کرتے ہو چاچا!" رحمت نے ہنستے ہوئے کہا "وہ ابھی یہاں پہنچ جاتا ہے۔ یہ لو!"

یہ کہہ کر اس نے منہ سے ایک خاص آواز نکالی۔ اس کے جواب میں گدھے کے ہنہنانے کی آواز کہیں پاس ہی سے آئی، اور چند لمحوں بعد گدھا اور اس کے ساتھ ڈبّو دونوں وہاں آ موجود ہوئے۔ گدھے کو دیکھتے ہی کرم بخش نے اندازہ کر لیا کہ اس نے اپنے پیٹ بھرنے کا بندوبست خوب اچھی طرح کر لیا ہے۔

کرم بخش نے اُسے گاڑی کے ساتھ باندھ دیا اور کہنے لگا۔

"تمہیں جانوروں کی خوب سمجھ ہے رحمت بیٹے!"

رحمت نے ہنڈیا کا بچا کھچا سالن رکابی میں الٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں چاچا! اور مجھے اس کی بھی خوب سمجھ ہے۔"

"صبر سے کام لو بیٹے!" کرم بخش نے کہا "دیکھو، آدھا لے لو اور آدھا ہنڈیا میں ہی رہنے دو۔"

"آدھا!" رحمت ہچکچاتے ہوئے بولا "کیوں؟"

"محض اپنی حفاظت کے خیال سے" کرم بخش نے جواب دیا

www.pdfbooksfree.pk

"ویسے بھی تمہارے لئے آدھا سالن اور ایک روٹی کافی ہے۔ لیکن اپنا کام جو ہے، وہ تو تم جانتے ہی ہو۔ اس لئے اگر کوئی خطرناک آدمی اِدھر آنکلے تو میں فوراً ہنڈیا کو آگ پر رکھ دوں گا ـــــ اس طرح ـــــ اور پھر یہاں کرم بخش اور رحمت نظر آئیں گے جو بڑی بے فکری سے اپنا کھانا کھا رہے ہوں گے۔"

"اچھا!" رحمت ہنستے ہوئے کہنے لگا "شاید لوگ اس کا یقین کر لیں چاچا ـــــ شاید کر ہی لیں۔"

"کریں یا نہ کریں" کرم بخش نے کہا "ہم پر تو کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔"

اتنے میں ایک طرف سے ایک تیتر کی آواز آئی ـــ کرم بخش بولا

"اس تیتر کم بخت کو ذرا خیال نہیں۔ جب دیکھو نون تیل ادرک، نون تیل ادرک"

"پر چاچا!" رحمت کہنے لگا "وہ جو مسجد والے مولوی صاحب ہیں نا! وہ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ سبحان تیری قدرت کہتا ہے۔"

"شاید وہ ٹھیک ہی کہتے ہوں۔"

"ارے!" رحمت کھانا کھاتے کھاتے یکایک چونک پڑا اور کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا "کوئی اس طرف آرہا ہے۔"

"کون ہو سکتا ہے؟"

"دیکھتے ہیں" رحمت کہنے لگا "اوہ یہ تو اپنے ہوٹل والے سیٹھ ارشاد علی کے قدموں کی چاپ معلوم ہوتی ہے۔"

"ہوٹل والے سیٹھ!" کرم بخش نے حیرانی سے کہا "اور اس وقت یہاں!"

"انہیں کوئی بہت ہی ضروری کام آپڑا ہوگا!" رحمت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اتنے میں سڑک پر ایک شخص نمودار ہوا۔ عمر کوئی پچاس سال کے قریب تھی۔ سر کے بال صاف اور توند کسی قدر بڑھی ہوئی۔ گول مٹول سا چہرہ۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں، پکوڑا سی ناک اور پھولے پھولے رخسار۔

"ارے یہ تو اپنے سیٹھ صاحب ہی ہیں!" رحمت نے کہا

"سلام سیٹھ صاحب!" کرم بخش نے آگے بڑھ کر سلام کیا "آپ اور یہاں اس وقت؟"

"میں تمہاری ہی تلاش میں نکلا تھا میاں کرم بخش!" سیٹھ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا "ایک بہت ضروری کام آپڑا ہے۔"

"آپ حکم کیجئے سیٹھ صاحب!" رحمت نے کہا "میں اور چاچا دونوں آپ کے تابعدار ہیں"

"میں جانتا ہوں" سیٹھ نے کرم بخش کے قریب ہی بیٹھتے

www.pdfbooksfree.pk

ہو نے کہا" معاملہ ہی کچھ ایسا ہے کہ میں اسے کسی اور کے سپرد نہیں کر سکتا، اس لئے خود چلا آیا ہوں۔ تمہاری تلاش میں مجھے خاصا پریشان ہونا پڑا۔"

"آپ پیغام بھجوا دیتے تو میں خود حاضر ہو جاتا آپ کی خدمت میں" کرم بخش نے کہا

"خیر اب تو میں خود ہی تمہاری خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں" سیٹھ نے کہا" بات یہ ہے کہ کل جو دعوت ہو رہی ہے نا خان بہادر کی طرف سے۔"

"ہاں ہاں!" کرم بخش نے کہا" مڈل سکول کے ہائی سکول بن جانے کی خوشی میں!"

"ہاں" سیٹھ نے کہا" ایک اعلیٰ سرکاری افسر اس کا افتتاح کرنے آ رہے ہیں۔ دعوت کا سارا انتظام مجھے کرنا ہے۔"

"تو ہمارے لئے کیا حکم ہے؟" رحمت نے پوچھا۔

"بات یہ ہے کہ میں سارا انتظام مکمل کر چکا تھا کہ اب سے کوئی ایک گھنٹہ پہلے خان بہادر صاحب نے مجھے بلایا اور حکم دیا کہ دعوت میں روسٹ مچھلی بھی ضروری ہونی چاہیئے اس لئے کہ مدرسے کا افتتاح کرنے والے سرکاری افسر کو روسٹ مچھلی بہت پسند ہے۔"

"یہ بات تو انہیں پہلے بتانی چاہیئے تھی" کرم بخش نے کہا۔

"خان بہادر کو بھی پہلے معلوم نہیں تھی" سیٹھ نے کہا" بہرحال اب مسئلہ یہ ہے کہ مجھے فوری طور پر ایک خاصی بڑی رو ہو مچھلی درکار ہے۔ کم از کم آٹھ سیر وزن ہونا چاہیئے۔"

"دریا میں بیسیوں مچھلیاں ہوں گی ایسی" رحمت نے کہا۔

"لیکن یہاں کسی کے پاس مچھلیاں پکڑنے کا لائسنس نہیں" سیٹھ نے کہا" اور میں جانتا ہوں کہ میری یہ ضرورت صرف تم پوری کر سکتے ہو۔ اگر دعوت میں مچھلی نہ ہوئی تو خان بہادر مجھے کچا چبا جائیں گے۔"

"فکر نہ کریں سیٹھ صاحب!" رحمت نے کہا" مچھلی آپ کو مل جائے گی۔"

"صبح سے پہلے پہلے" کرم بخش نے جواب دیا۔

سیٹھ نے اپنی جیب سے دس دس روپے کے دو نوٹ نکالے اور کرم بخش کی طرف بڑھا دیئے۔

"یہ میری طرف سے پیشگی ہے۔ اگر دعوت سے خان بہادر خوش ہو گئے تو شاید تمہیں کچھ انعام بھی مل جائے۔"

کرم بخش نے نوٹ لے کر لاپروائی سے اپنی جیب میں ٹھونستے ہوئے کہا۔

"آپ اطمینان رکھیں سیٹھ صاحب! صبح ہونے سے پہلے پہلے مچھلی آپ کو پہنچ جائے گی۔"

www.pdfbooksfree.pk

"اچھا اب میں چلتا ہوں" سیٹھ نے کہا۔

سیٹھ کے چلے جانے کے بعد کرم بخش نے ایک اور سگریٹ سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لگانے لگا۔ رحمت نے کھانا ختم کر کے رکابی صاف کی اور ایک طرف رکھ دی۔ پھر وہ کہنے لگا۔

"چاچا! کل جو دعوت خان بہادر کی طرف سے ہو رہی ہے، کیا ہم بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں؟"

"ہم شامل ہو کر کیا کریں گے!" کرم بخش نے کہا۔

"کچھ بھی نہیں چاچا" رحمت نے جواب دیا" اصل میں میرا جی چاہتا ہے کہ "دو اپنے ہاتھ سے خان بہادر کے حلق میں مرغ کی ایک ٹانگ ٹھونسوں۔ چاہے اس کے بعد وہ مجھے پکڑ کے جیل ہی کیوں نہ بھیج دے۔"

"یہ بات کیسے آئی تمہارے دماغ میں!" کرم بخش نے اُسے ڈانٹا۔

"یونہی چاچا!" رحمت ہنس دیا۔

"ایسی الٹی الٹی باتیں نہیں سوچا کرتے" کرم بخش نے کہا "اس مچھلی کی فکر کرو جس کا ہم نے ابھی ابھی وعدہ کیا ہے۔ وہ دیکھو! بادل اُمڈے چلے آ رہے ہیں۔ ہوا بھی چلنے لگی ہے۔"

"ہاں!" رحمت نے جیسے کچھ سننے کی کوشش کی" بڑی زبردست ہوا ——— اے ہوا! بادلوں کو بھیج ——— ہاں

ایسے اونچے ——— اور اونچے ——— یہاں تک کہ چاند کی آنکھیں بند ہو جائیں۔"

"چلو چاچا! دریا پر چلیں۔ میں اور زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔"

"ہاں بہتر ہے ہم تیار ہو جائیں" کرم بخش نے کہا" تم ذرا یہ لکڑی اور کپڑا لے کر مشعل تیار کرو دریا پر لے جانے کے لئے۔ ٹوکری میں تھام لوں گا۔"

"شش!" اچانک رحمت نے کہا اور کسی آہٹ پر کان لگائے آگے کی طرف جھک گیا۔

"کیا بات ہے؟"

"کوئی آ رہا ہے"

"کہاں؟"

"ادھر درختوں میں" رحمت نے بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا" ہو نہ ہو یہ خان بہادر کا چوکیدار شیر خاں ہے۔"

"اوہ خدا! یہ کہاں سے ٹپک پڑا ایسے وقت میں" کرم بخش نے کہا۔

اس نے لکڑی کپڑے اور ٹوکری کو اپنی گدھا گاڑی میں چھپا دیا۔ پھر کہنے لگا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم آدمی کا ایک میل دور ہی سے پتا چلا لیتے ہو۔ تمہیں شاید اُن کی بو پہنچ جاتی ہے۔ ارے وہ ہنڈیا

www.pdfbooksfree.pk

کہاں ہے سالن کی ؟ ہاں یہ رہی !"

اس نے ہنڈیا کو چولہے پر رکھا اور چولہے میں دو ایک لکڑیاں ڈال کر لگا پھونکیں مارنے۔ پھر اس نے کہا۔

"بیٹھ جاؤ رحمت ! اور اپنے چہرے کو بالکل سکین بنا لو!"

رحمت بیٹھ گیا اور لکڑیوں کا گٹھا اپنے قریب کر کے لکڑیوں کے دو دو ٹکڑے کرنے لگا۔ اتنے میں بائیں طرف سے لمبے قد اور درمیانہ عمر کا ایک آدمی اُن کی طرف آتا نظر آیا اور رحمت نے سرگوشی سے کہا۔

"یہ رہا وہ"

اور کرم بخش نے قدرے اُونچی آواز میں کہا۔

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو رحمت بیٹے ! ہمیں تسلے اور بالٹی کی مرمت کے کم از کم دو روپے ملنے چاہئیں تھے۔ اصل میں مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے مائی جیناں سے پہلے ہی اُجرت طے نہیں کی اور کہہ دیا کہ جو جی میں آئے دے دینا۔"

"اور اس کم بخت مائی شیطان کی نانی نے ہمیں آٹھ آنے پر ہی ٹرخا دیا" رحمت بولا۔

"ہاں۔ آئندہ میں احتیاط رکھوں گا۔"

اتنے میں آنے والا شخص بالکل ان کے سر پہ آ چکا تھا۔ رحمت نے کرم بخش کو کہنی مار کر خبردار کیا اور کرم بخش نے چولہے

میں پھونکیں مارتے ہوئے یکایک نظریں اٹھائیں اور پھر ایک اجنبی کی طرح حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ شیر خاں چوکیدار ! السلام علیکم !"

"سلام میاں شیر خاں صاحب !" رحمت نے ماتھے تک لے جا کر کہا۔

"شاید شام کا کھانا کھانے کے بعد ذرا چہل قدمی ہو رہی ہے !" کرم بخش بولا۔

"میں تمہاری چکنی چپڑی باتوں میں آنے والا نہیں" شیر خاں نے جیسے گرج کر کہا "کہا کر رہے ہو تم یہاں کرم بخش ؟"

"دیکھتے نہیں ؟" کرم بخش نے چولہے کی طرف اشارہ کیا "میرا کھانا —— رحمت کا کھانا —— ہمارا کھانا۔"

"کیا واقعی ؟" شیر خاں نے طنز سے کہا۔

"کیا مطلب ؟" کرم بخش نے اسی طرح گرم ہو کر کہا "کس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہو تم ؟"

"کسی طرف نہیں" شیر خاں بولا "جو کچھ مجھے کہنا ہے صاف صاف کہے دیتا ہوں۔ میں تم کو اور رحمت کو —— دونوں کو خان بہادر کی جاگیر سے باہر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن خان بہادر کی جاگیر میں بیٹھا ہی کون ہے !"

"کیا بکتے ہو !" شیر خاں کو بھی جیسے غصہ آ گیا "کیا تم اس

www.pdfbooksfree.pk

وقت بیٹھے نہیں ہو۔ خان بہادر کی جاگیر میں؟"

"ہم تو سڑک پر بیٹھے ہیں" کرم بخش نے کہا "کیا یہ شاہراہ عام ہے یا نہیں؟"

"ہو گی" شیر خاں بولا "لیکن اس کے دونوں طرف کی زمین تو خان بہادر کی ملکیت ہے۔"

"ممکن ہے تمہاری بات صحیح ہو" کرم بخش نے کہا

"اور ڈیڑھ میل نیچے تک دریا میں جو مچھلیاں ہیں، وہ بھی خان بہادر کی جاگیر شمار ہوتی ہیں۔ ان کا شکار صرف وہی کر سکتا ہے جس کے پاس سرکار کی طرف سے خاص لائسنس ہو۔"

"تو ہمیں کیا!" کرم بخش نے بیزاری سے کہا۔

"اس زمین کا ایک ایک تنکا، ایک ایک پتا خان بہادر کی ملکیت ہے اور یہ بات تمہیں نہیں بھولنی چاہیئے۔"

"ہمیں اچھی طرح معلوم ہے میاں شیر خاں صاحب!" رحمت نے جیسے ان دونوں کی گفتگو میں مداخلت کی "پرسوں تمہارے خان بہادر صاحب ہیڈ ماسٹر صاحب سے شکایت کر رہے تھے کہ میں نے شیر خاں کو شیر سمجھ کر نوکر رکھا تھا لیکن وہ گیدڑ کی طرح ڈرپوک ثابت ہوا ہے۔"

"ہیں!" شیر خاں نے جیسے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا۔

"بچے کی بات کا برا نہ مناؤ شیر خاں!" کرم بخش نے کہا

"یہ تم نے پہلے ہی کچھ جی میں ٹھان رکھی ہے اور اب دو غریب مزدوروں کو تنگ کرنے پر تلے ہوئے ہو!"

"واقعی تم غریب مزدور ہو!" شیر خاں نے طنز سے کہا۔

"پولیس کو تمہاری شرارتوں کے ہزاروں حصے کا بھی علم نہیں۔ اس گدھا گاڑی میں خانہ بدوش چوروں کی طرح پھرتے موقع تاڑتے رہتے ہو۔"

"خانہ بدوش چوروں کی طرح!" کرم بخش نے غصے سے کہا۔

"یہ تو بہت بری بات ہے چاچا!"

"تم جیسے اٹھائی گیروں کی جگہ یہاں نہیں، جیل خانہ ہے" شیر خاں نے کہا "اور میری یہ انتہائی خوش قسمتی ہو گی کہ تم دونوں کو وہاں پہنچا دوں۔"

"تمہارا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہو سکتا شیر خاں!" کرم بخش نے کہا "اگرچہ تم اس کے لئے نہ جانے کب سے کوشش کر رہے ہو۔"

"ان دنوں میں جلد ہی تم کو پکڑ سکوں گا ــــ تم دونوں کو!" شیر خاں نے "دونوں" پر خاص زور دیتے ہوئے کہا "اور اس سے پہلے کہ میں گھر جاؤں، تم دونوں خان بہادر کی جاگیر سے باہر نکل جاؤ۔"

"ہم اس جگہ سے اس وقت ہی جائیں گے جب ہمارا جی چاہے گا" کرم بخش نے تن کر کہا "اس سے ایک سیکنڈ پہلے بھی نہیں۔"

www.pdfbooksfree.pk

"بالکل نہیں چاچا!" رحمت بولا "ایک سیکنڈ پہلے بھی نہیں۔"

"بہتر ہے میاں شیر خاں!" کرم بخش نے کہا "تم خود ہی چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

"بہر حال یاد رکھو!" شیر خاں نے کہا "میں نے تمہیں آگاہ کر دیا ہے۔"

"اس بے موقع تکلیف کا شکریہ!" کرم بخش بولا "خدا کرے تم آرام کی نیند سو سکو۔"

شیر خاں جدھر سے آیا تھا، اسی طرف کو منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے واپس چلا گیا۔ کرم بخش اور رحمت اُسے واپس جاتے ہوئے دیکھتے رہے اور جب وہ کافی فاصلے پر چلا گیا تو رحمت نے جیسے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے کہا۔

"اس دنیا کے تختے پر سؤر سے بدتر اگر کوئی چیز ہے تو وہ شیر خاں چوکیدار ہے۔"

کرم بخش نے اپنے بھتیجے کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ بدستور شیر خاں کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

اجنبی مہمان

شیر خاں کو گئے کافی دیر ہو گئی تھی۔ کرم بخش کو اطمینان تھا کہ اب وہ واپس نہیں آئے گا۔ تاہم احتیاط کے طور پر وہ کچھ اور انتظار کر لینا چاہتا تھا۔ مگر رحمت کی بے تابی بڑھتی جا رہی تھی۔

"اب تو وہ جا چکا ہے چاچا!" اس نے کہا "اب تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں بیٹے!" کرم بخش نے جواب دیا "میں صرف یہ انتظار کر رہا ہوں کہ اندھیرا اور گہرا ہو جائے۔ چاند بادلوں کی چادر میں چھپ جائے۔ ہم نے سیٹھ سے روہو کا وعدہ کیا ہے وہ پیشگی بھی دے گیا ہے۔ شیر خاں ہو یا نہ ہو۔ ہمیں یہ وعدہ پورا کرنا ہو گا۔"

"یہ ہمارے لئے اچھا موقع ہے" رحمت نے کہا "وہ تو گھر چلا گیا ہو گا۔ میں اب زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا۔ دریا کی لہروں کی آواز سے میرے دل میں جوش پیدا ہو رہا ہے۔"

"اچھی بات ہے!" کرم بخش بولا "ہم یہ موقع آزما ہی لیتے ہیں۔ نکال لاؤ تمام چیزیں۔"

www.pdfbooksfree.pk

رحمت لکڑی کپڑا اور ٹوکری گاڑی سے نکال لایا اور انہیں کرم بخش کے آگے ڈال کر خوشی سے جیسے ناچنے لگا۔

"آہا ہا ہا! اے چاند میں بیٹھے ہوئے بوڑھے ——— اے ننھے منے ستارو! جاؤ ذرا تھوڑی دیر بادلوں کی آغوش میں آرام کر لو ——— اور اگر تم جھانکتے بھی رہو تو بھی مجھے یقین ہے کہ تم آٹھ دس سیر سے کم کا مال نہیں دیکھو گے۔ ہا ہا ہا ہا! ہو ہو ہو ہو!"

"یہ اچھل کود چھوڑو" کرم بخش نے جیسے اُسے ڈانٹا "اور بناؤ مشعل!"

رحمت نہایت فرمانبرداری سے کرم بخش کے پاس آ بیٹھا۔ اس نے لکڑی کے سرے پہ کپڑا لپیٹا اور پھر اس پر مٹی کا تیل ڈالا۔ پھر اس نے کہا۔

"ماچس ہے چاچا؟"

"بہت ہیں" کرم بخش نے جیب کو کھڑکھڑاتے ہوئے جواب دیا۔

"تو بس ٹھیک ہے" رحمت بولا "یہ رہی مشعل اور یہ رہی ٹوکری ——— ایک دفعہ پھر ——— یہی وقت ہے جب میں خوش ہوتا ہوں ——— بہت خوش ——— میں بیان نہیں کر سکتا چاچا! ایسا معلوم ہوتا ہے ——— ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بہت

سے ننھے ننھے پرندے میرے کانوں میں اپنے گیتوں کا رس گھول رہے ہوں"۔

یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور چند قدم خوشی سے ناچتے ہوئے کہنے لگا۔

"اب میں ٹھہر نہیں سکتا ——— بالکل نہیں ٹھہر سکتا!"

پھر جیسے اسے کوئی اور بات یاد آ گئی اور وہ منہ لٹکاتے ہوئے کہنے لگا۔

"لیکن چاچا! یاد ہے وہ شیر خاں کم بخت ہمیں جیل خانے میں پہنچانے کی بات کر رہا تھا۔ میں تو بعض دفعہ یہ سوچ کر ڈر جاتا ہوں چاچا کہ اگر میں جیل میں ہوتا اور کوئی شخص چپکے سے میرے کان میں "رو ہو" کہہ دیتا تو یقیناً میں وہیں بیہوش ہو کر گر پڑتا۔"

"فکر مت کرو بیٹے!" کرم بخش نے اسے تسلی دی "تمہارا چاچا اتنا احمق نہیں ہے کہ شیر خاں یا کوئی اور شخص اس کو آسانی سے اپنے جال میں پھانس لے ——— آؤ اب چلیں!"

"ٹھہرو!" رحمت نے یکایک چونک کر کہا "کوئی آ رہا ہے۔"

"اوہ منحوس لعنتی کہیں کے!" کرم بخش نے بیزاری سے کہا "کیا یہ لوگ ہم کو اطمینان سے اپنا کام نہیں کرنے دیں گے؟"

www.pdfbooksfree.pk

یہ کہتے ہوئے اس نے جلدی جلدی پھر مشعل اور ٹوکری کو چھپا دیا۔ ہنڈیا چولہے پر رکھ دی اور جھک کر چولہے میں پھونکیں مارتے ہوئے کہنے لگا۔

"اس دفعہ کون ہو سکتا ہے؟"

رحمت نے قدموں کی آہٹ پر کان لگا دیئے۔

"میں اس کے قدموں کی چاپ نہیں پہچانتا چاچا۔ کوئی اجنبی معلوم ہوتا ہے۔"

پھر وہ اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"وہ رہا! ارے چاچا یہ تو کوئی مسافر ہے شاید!"

"مسافر!"

"ہاں چاچا! کچھ سامان بھی اٹھائے ہوئے ہے" رحمت نے کہا۔

"مسافر اور اتنی رات گئے!" کرم بخش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کوئی خاص خطرے کی بات نہیں۔ بیٹھ جاؤ رحمت! مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ۔ تمہارے چہرے سے پریشانی یا فکرمندی بالکل ظاہر نہیں ہونی چاہیئے۔"

رحمت مطمئن سا ہو کر بیٹھ گیا اور کرم بخش جھوٹ موٹ چولہے میں پھونکیں مارنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد پچاس پچپن سال کی عمر کا ایک شخص ان کی

طرف آیا۔ اس نے ایک اٹیچی کیس اٹھا رکھا تھا۔ اس کا لباس ڈھیلا ڈھالا تھا۔ سر پر ٹوپی تھی اور آنکھوں پر عینک۔ اس کی داڑھی تین چوتھائی سے زیادہ سفید تھی۔ کپڑے گرد آلود تھے اور اس کی چال سے تھکاوٹ کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

"ارے!" رحمت نے اُسے دیکھ کر سرگوشی کی "یہ تو کوئی خاصا معتبر آدمی لگتا ہے۔"

کرم بخش نے کوئی جواب نہیں دیا اور اسی طرح چولہے پر جھکا رہا۔

اجنبی مسافر ان دونوں کے قریب آکر ایک لمحے کے لئے رُکا اور اس نے اپنی عینک کے شیشوں میں سے کچھ اس طرح جھانکا جیسے اس کی نظر بہت کمزور ہو۔ پھر جیسے اس نے اپنے آپ سے ہی کہا۔

"یہ کیا! ہیں! بھلے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

پھر اس نے اُن دونوں کے بالکل قریب آکر بلند آواز سے کہا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام!" کرم بخش نے اجنبی مسافر کی طرف نگاہ کیے بغیر جواب دیا۔

"وعلیکم السلام جناب!" رحمت نے ہاتھ ماتھے تک

www.pdfbooksfree.pk

لے جا کر کہا۔

"کیا تم لوگ بتا سکتے ہو کہ یہاں نزدیک کونسی بستی ہے؟"

اس پر کرم بخش نے پہلی بار چولہے سے نظریں ہٹا کر اجنبی مسافر کی طرف دیکھا اور کہا۔

"ہے تو یہی قریب ہی جناب! عظمت آباد جہاں خاں بہادر عظمت علی خاں رہتے ہیں۔"

اجنبی مسافر نے یہ سن کر سر ہلا دیا۔

"نہیں مجھے عظمت آباد نہیں، دولت پور جانا ہے۔"

"دولت پور!" کرم بخش نے حیرانی سے کہا "مگر وہ تو یہاں سے کافی دور ہے۔"

"ہیں!"

"ہاں جناب!" کرم بخش نے کہا "یہاں سے کوئی چار میل۔"

"چار میل!" اجنبی مسافر نے حیرت اور افسوس سے کہا "اُف میرے خدا! میں تھک کر چور ہو چکا ہوں۔ یہ چار میل کیسے ہو گا!"

"شاید راستہ بھول گئے ہیں آپ!"

"ہاں! میں آخری گاڑی سے سٹیشن پر اترا اور تقریباً دو گھنٹے سے ادھر اُدھر بھٹکتا پھر رہا ہوں۔ تھک کر چور ہو چکا ہوں۔"

اجنبی مسافر کے ان الفاظ سے کرم بخش کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص ان کے لئے کسی خطرے کا باعث نہیں بن سکتا۔ چنانچہ اس نے چولہے میں جھوٹ موٹ پھونکیں مارنا بند کر دیں اور اس سے کہنے لگا۔

"کیا آپ کو سٹیشن پر کوئی شخص لینے نہیں آیا؟"

"کوئی نہیں" اجنبی مسافر نے تھکے تھکے انداز میں کہا "میں نے دولت پور میں اپنے دوست کو خط لکھا تھا لیکن مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ خط میری جیب میں ہی پڑا رہا۔ میں نے لیٹر بکس میں ڈالا ہی نہیں۔"

اجنبی مسافر کے ان الفاظ نے کرم بخش اور رحمت کو بڑا متاثر کیا۔ رحمت لپک کر گدھا گاڑی سے لکڑی کا ایک خالی بکس اٹھا لایا اور اسے الٹا کر کے زمین پر رکھتے ہوئے بولا۔

"چاچا! شاید آپ یہاں بیٹھنا پسند کریں۔"

"یہاں تشریف رکھیے جناب!" کرم بخش نے کہا

"شکریہ!" اجنبی مسافر نے اپنا اٹیچی کیس ایک طرف رکھتے ہوئے کہا "مجھے بھی خاصی تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے۔"

اجنبی مسافر ایک طویل ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے لکڑی کے بکس پر بیٹھ گیا۔ ذرا سی دیر بعد وہ ہوا میں کچھ سونگھتے ہوئے بول اٹھا۔

www.pdfbooksfree.pk

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے — واقعی — خوشبو آرہی ہے کسی چیز کی!"

"یہ سالن ہے ہنڈیا میں جناب!" رحمت نے کہا "آج چاچا نے ٹماٹر اور قیمہ پکایا تھا۔"

"ٹماٹر اور..... تم نے کیا کہا تھا، ٹماٹر اور قیمہ؟"

کرم بخش اجنبی مسافر کی حالت کو بھانپے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ کہنے لگا۔

"دو گھنٹے تک ادھر ادھر مارے مارے پھرنا اور اس بھاری اٹیچی کیس کے ساتھ۔"

"رحمت! ٹماٹر قیمے کا باقی حصہ انہیں ملنا چاہیے۔"

"جیسے حکم ہو چاچا!" رحمت نے کہا۔

"نہیں نہیں!" اجنبی مسافر نے نیم انکار کے لہجے میں کہا "میں تم لوگوں کو کھانے سے محروم کرنا نہیں چاہتا۔"

"اس کی فکر نہ کیجئے جناب" کرم بخش نے کہا "ہم کھانا کھا چکے ہیں۔ رحمت! وہ رکابی پکڑانا ذرا!"

رحمت نے رکابی کرم بخش کو تھما دی۔ کرم بخش نے ہنڈیا کا بچا کھچا سالن اس میں ڈالا اور باقی بچی ہوئی ایک روٹی کے ساتھ اجنبی مسافر کی طرف بڑھا دیا۔

"بس اتنا ہی ہے جناب! لیجئے اور شوق فرمائیے۔"

اجنبی مسافر کو تو بڑے زوروں کی بھوک لگی تھی۔ اس نے چار پانچ نوالوں میں ہی رکابی صاف کر ڈالی اور اسے ایک طرف رکھتے ہوئے بڑا سا ڈکار لے کر اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔

"سگریٹ تو نہیں پئیں گے جناب؟" کرم بخش نے پوچھا۔

"سگریٹ!" اجنبی مسافر نے حیرانی اور توقع کے ملے جلے جذبات سے کہا "لیکن میں تو کھانا کھانے کے بعد پان کھایا کرتا ہوں عموماً۔"

"پان تو نہ مل سکے گا جناب!" کرم بخش نے کہا "سگریٹ ہی ہے اور وہ بھی ہفوڑا مارکہ۔ لیجئے شوق فرمائیے۔"

یہ کہتے ہوئے کرم بخش نے سگریٹ کی ڈبیا اور ماچس اجنبی مسافر کی طرف بڑھا دی۔ اجنبی نے سگریٹ سلگایا، پھر ایک طویل کش لے کر دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔

"واقعی بھوک میں چنے بھی بادام ہوتے ہیں۔ خوب ہے۔ ارے! میں نے اب تک تم سے تمہارے متعلق تو کچھ پوچھا ہی نہیں۔ مجھے اپنے دوستوں کے نام تو معلوم ہو جانے چاہئیں۔"

"مجھے کرم بخش کہتے ہیں جناب!" کرم بخش نے کہا "اور یہ میرا بھتیجا رحمت ہے۔"

"کرم بخش اور رحمت!" اجنبی مسافر نے کہا "یقیناً میں اس سڑک کے کنارے کی دعوت کو کبھی نہیں بھول سکوں گا۔"

www.pdfbooksfree.pk

"اگر میں آپ کی جگہ ہوتا جناب!" رحمت نے کہا" تو کبھی یہ بات نہ کہتا۔"

"رحمت کی بات کا بُرا نہ منائیے گا جناب!" کرم بخش کہنے لگا۔" بات یہ ہے کہ ہم چچا بھتیجا دونوں ایک طرح سے بدنام ہیں۔"

"بدنام!" اجنبی مسافر نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں" کرم بخش نے جواب دیا۔

"چوری چھپے مچھلیاں پکڑنے کے لئے!" رحمت نے کہا۔

"رحمت!" کرم بخش نے اپنے بھتیجے کو جیسے تنبیہہ کی۔

"ڈرنے کی کوئی بات نہیں چاچا!" رحمت بولا" تم ان کے چہرے کو دیکھ کر کہہ سکتے ہو کہ یہ ایک مہربان دل کے مالک ہیں۔"

"دیکھیے جناب!" کرم بخش نے کہا" ایک بات آپ کو بتا دینا میں اپنا فرض خیال کرتا ہوں۔ اگر آپ کو یہاں بیٹھے اور میرے اور رحمت کے ساتھ باتیں کرتے دیکھ لیا گیا تو آپ کو فائدہ تو کچھ نہ ہوگا، نقصان شاید ہو جائے۔"

"لیکن میں تو یہاں بیٹھ کر تمہاری باتوں سے بڑا لطف اٹھا رہا ہوں۔"

"اچھا!"

"ہاں" اجنبی مسافر نے کہا" اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ

میں ایک کانفرنس میں شرکت کے بعد سیدھا یہاں آ رہا ہوں۔"

"کانفرنس!" رحمت نے حیرانی سے کہا" اس میں کیا ہوتا ہے جناب!"

"تقریریں ہوتی ہیں" اجنبی مسافر نے جیسے بیزاری کے انداز میں جواب دیا" بڑی بڑی لمبی لمبی تقریریں۔ بڑے بڑے افسر، وزیر اور دیگر معزز لوگ جن تک پہنچنا بھی بڑا مشکل ہے اور جن کے لئے میرے دل میں بڑی عزت ہے، ایسی کانفرنسوں میں شریک ہوتے ہیں۔ لیکن اب چار دن اونچے لوگوں کے ساتھ گزارنے کے بعد اب میں دو عام لوگوں کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا ہوں۔ پُرہجوم کانفرنس کے بعد یہ کیسی عجیب سی بات ہے کہ میں یہاں ہوں جہاں ہم اکیلے —— صرف تین ہیں۔"

"اکیلے!" رحمت نے کہا" نہیں جناب ہم صرف تین نہیں، پانچ ہیں۔"

"پانچ!"

"جی ہاں" رحمت نے کہا" تین ہم، چوتھا ہمارا گدھا اور پانچواں ڈبو!"

یہ کہتے ہوئے رحمت نے گدھے اور کتے کی طرف اشارہ کیا۔ خاموشی سے گدھا گاڑی کے پاس بیٹھے تھے۔

"تم ٹھیک کہتے ہو! تم ٹھیک کہتے ہو!" اجنبی مسافر نے

www.pdfbooksfree.pk

رحمت کی بات کی تائید کی۔

"بلکہ سچ تو یہ ہے جناب!" رحمت نے کہا "یہاں اور بہت سی اوجھل آنکھیں ہیں جو ہمیں دیکھ رہی ہیں۔"

"اوجھل آنکھیں!" اجنبی نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں" رحمت نے اجنبی کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "سینکڑوں خرگوش ہیں یہاں۔"

یہ کہہ کر رحمت نے چلاتے ہوئے خرگوشوں کی طرح آواز نکالی، اور پھر ہنسنے لگا۔ اتنے میں دور کہیں سے ایک لومڑی کی آواز آئی۔

"کتا بھونک رہا ہے شاید!" اجنبی نے کہا

"کتا!" رحمت نے حیران سا ہو کر کہا "وہ تو لومڑی ہے جناب لومڑی! اور میرا خیال ہے کہ وہ کسی کے چوزے اڑا لینے کی فکر میں ہو گی۔"

"اچھا!"

"اور ان کھیتوں میں کتے ہی چوہے بھی ہیں" رحمت نے کہا "وہ ہر وقت کترنے میں مشغول رہتے ہیں۔ بعض دفعہ تو میں بھی اپنے آپ کو چوہے کی طرح محسوس کرنے لگتا ہوں۔"

"بڑی عجیب بات ہے" اجنبی نے حیرانی ظاہر کی۔

اتنے میں قریب کے کسی درخت سے اُلّو کی آواز سنائی دی۔

"یہ میں جانتا ہوں بڑی اچھی طرح" اجنبی نے کہا "یہ اُلّو ہے۔"

"جی ہاں" رحمت نے کہا اور پھر ہنستے ہوئے خود بھی اُلّو کی طرح ہُو ہُو کرنے لگا۔ پھر اس نے اجنبی مسافر کے ذرا قریب ہو کر نہایت سنجیدگی اور ادب سے پوچھا۔

"جناب! کیا آپ کچھ شکار وغیرہ کا بھی شوق رکھتے ہیں؟"

"شکار!" اجنبی نے حیرت اور دلچسپی سے کہا "جب میں جوان تھا تو مجھے شکار کا خاصا شوق تھا۔ اب تو صرف اتنا رہ گیا ہے کہ ڈور اور بنسی لے کر کسی دریا کے کنارے گئے اور ایک آدھ مچھلی پکڑ لی۔"

"ڈور اور بنسی کے ذریعے!" رحمت نے کہا "یہ بھی کوئی طریقہ ہے شکار کا جناب! ڈور پانی میں ڈال دی اور بیٹھے اونگھ رہے ہیں۔ پوستیوں کی طرح مچھلی پھنسنے کے انتظار میں۔ ہمارے ساتھ آیئے آپ کو بتائیں کہ مچھلی کیسے پکڑی جاتی ہے۔"

"رحمت!" کرم بخش نے ڈانٹا "یہ کیا کر رہے ہو!"

"کوئی بات نہیں چاچا!" رحمت نے کہا "دیکھتے نہیں کہ وہ آدھے سے زیادہ ہم میں شامل ہیں۔ سنیے جناب! میں اور چاچا دریا سے رو ہو مچھلی پکڑنے جا رہے ہیں۔"

"رو ہو مچھلی!" اجنبی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk

"جی ہاں" رحمت نے کہا" میں ابھی آپ کو سب کچھ بتاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور گدھا گاڑی سے مشعل اور ٹوکری نکال لایا۔

"لیجئے یہ ٹوکری پکڑ لیجئے!"

"لیکن....." اجنبی نے کچھ ہچکچاہٹ ظاہر کی۔

"یہ سب فرضی کارروائی ہے" رحمت نے کہا" لیجئے نا!"

اجنبی نے ہچکچاتے ہوئے ٹوکری تھام لی اور کہا۔

"میں اسے کیا کروں گا؟"

"ابھی بتاتا ہوں جناب" رحمت نے کہا" فرض کیجئے کہ ہم پانی کے اندر جا رہے ہیں۔"

"پانی کے اندر!" اجنبی نے کہا" اللہ رحم کرے!"

"اندھیرے میں صرف مشعل کی روشنی ہے" رحمت نے کہا "بڑی بڑی مچھلیاں اِدھر اُدھر تیر رہی ہیں اور آپ انتظار کر رہے ہیں — بالکل اس بگلے کی طرح جو مچھلیوں کے انتظار میں ایک ٹانگ پر کھڑا رہتا ہے — اور پھر وہ رہی ایک بڑی سی روہو مچھلی!"

"ہوں" اجنبی نے کہا" روہو مچھلی!"

"آپ محض اس کا تصور کریں جناب!" رحمت نے کہا" تھوڑی

دیر کے لئے بھول جائیں کہ آپ کون ہیں۔ کیا آپ تصور میں اسے روشنی کی طرف آتا نہیں دیکھ سکتے؟"

"اچھا — ہاں — پھر!"

"تب آپ اپنی ٹوکری نہایت پھرتی سے اس کے نیچے لے جاتے ہیں — یوں!"

"یوں!" اجنبی نے رحمت کے ہاتھوں کی نقل اتارتے ہوئے کہا" میں سمجھ گیا۔"

"اور پھر آپ یوں ایک جھٹکے کے ساتھ اسے کنارے پر پھینک دیتے ہیں" رحمت نے اپنے ہاتھوں کی حرکت سے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"اسے کنارے پر پھینک دیتے ہیں" اجنبی نے پھر رحمت کے ہاتھوں کی نقل اتاری" یوں!"

"اوہ بڑا مزا ہے جناب اس شکار میں" رحمت نے خوش ہو کر کہا" ایسا مزا تو دنیا کے بادشاہوں کے نصیب میں بھی نہیں۔ ہمارے ساتھ آئیں گے آپ؟"

"میں!" اجنبی نے ہچکچاتے ہوئے کہا" دیکھیے! بات یہ ہے کہ میں....."

"نہیں جناب!" رحمت نے کہا" آپ ہمارے ساتھ ضرور آئیں۔ چاہے کنارے پر ہی کھڑے ہو کر دیکھتے رہیں۔"

www.pdfbooksfree.pk

"یہ بات ہے تو پھر ٹھیک ہے" اجنبی نے کہا" لیکن....."

"تو آپ چل رہے ہیں ہمارے ساتھ" رحمت نے کہا" بات پکی!"

"نہیں رحمت! بالکل نہیں" اجنبی نے ایک دم ٹوکری پھینک دی "تم ایک معزز شخص کو ایک ذلیل کام پہ آمادہ کر رہے ہو!"

"دیکھا جناب!" کرم بخش نے کہا" یہ میرا بھتیجا سو شیطانوں کا ایک شیطان ہے۔ یہ آپ پر تقریباً قابو پا چکا تھا۔"

"میں تو صرف آپ کے شغل کے لئے کہہ رہا تھا جناب!" رحمت نے کہا" خیر آپ رہو مچھلی کی خاطر نہیں آنا چاہتے تو نہ سہی۔ آپ سنگھاڑا مچھلی تو ضرور پسند کرتے ہوں گے؟"

"سنگھاڑا!" اجنبی نے کہا" خاصی مزے دار ہوتی ہے۔"

"تو پھر ذرا ٹھہریے جناب!" رحمت نے کہا" میں ابھی آیا۔"

یہ کہتے ہوئے رحمت درختوں کی طرف دوڑ گیا۔

"یہ میرا بھتیجا ایک مشین سے کم نہیں جناب" کرم بخش نے کہا "اگرچہ کچھ کچھ بے وقوف بھی ہے۔"

"بے وقوف!" اجنبی نے حیرانی سے کہا" اگر تم رحمت کو بے وقوف کہتے ہو تو پھر یہ کون کہے گا کہ خدا نے اسے بہت زیادہ عقل دی ہے۔ مجھے تو وہ بہت اچھا لگا ہے۔"

"اُسے پولیس کا بڑا دھڑکا لگا رہتا ہے" کرم بخش نے کہا" ہم دونوں پہلے ہی علاقے میں بہت بدنام ہیں۔ بے شک اس نے

آپ کو بتا دیا ہے اور آپ چاہیں تو بڑی آسانی سے ہمیں پکڑوا سکتے ہیں۔"

"ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی بات نہیں میاں کرم بخش!" اجنبی نے تسلی دیتے ہوئے کہا" مجھ سے تو تمہیں یہ توقع بالکل ہی نہیں رکھنی چاہیئے کہ جن لوگوں نے ایسے بے وقت میری خاطر تواضع کی ہو، میں انہیں پکڑوا دوں گا۔ لیکن اگر خدانخواستہ تم پولیس کے ہتھے چڑھ بھی جاؤ تو بھی کوئی فکر نہ کرنا۔ میری پہنچ ایسے ایسے اونچے لوگوں تک ہے کہ تم ان کے نام سن کر ہی حیران رہ جاؤ گے۔"

اتنے میں رحمت اپنی قمیض کے دامن میں چند مچھلیاں لئے واپس آ گیا۔ وہ قمیض کا دامن اجنبی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہنے لگا۔

"یہ لیجیے جناب! تازہ مال — خاص آپ کے لئے — لیجیے!"

"یہ تو شاید چوری کا مال ہے!"

"تو کیا آپ انہیں قبول نہیں کریں گے؟" رحمت نے اصرار کیا" محض آپ کی خاطر لایا ہوں میں تو۔"

"میں — میں — میں — نہیں لوں گا۔"

"کیا کر رہے ہو رحمت!" کرم بخش نے اُسے ڈانٹا" تم بھول رہے ہو کہ یہ ایک بہت ہی معزز آدمی ہیں۔ لاؤ مجھے دے دو یہ مچھلیاں۔ میں ان سے وقت آنے پر کام لے سکوں گا۔"

www.pdfbooksfree.pk

یہ کہتے ہوئے کرم بخش نے مچھلیاں رحمت سے لے لیں اور انہیں ایک کپڑے میں باندھ کر گدھا گاڑی میں رکھ دیا۔

"میں معافی چاہتا ہوں جناب!" رحمت نے کہا "میرا خیال تھا کہ آپ ایسے وقت میں ہم غریبوں کا معمولی سا تحفہ قبول کرنے سے انکار نہیں کریں گے۔"

اجنبی مسافر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"واقعی تمہارے چچا کا کہنا ٹھیک ہے کہ تم کچھ کچھ بے وقوف بھی ہو۔ کیا تمہیں پتا نہیں کہ تحفے اس طرح کھلے بندوں چوری کر کے نہیں دیئے جاتے۔ تمہارے ساتھ میرا وقت بڑا اچھا گزرا ہے اس لئے میں اس بات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ میری جگہ کوئی اور چھوٹا موٹا سرکاری ملازم ہوتا تو نہ جانے کیا کرتا۔"

اجنبی کے ان الفاظ پر کرم بخش اور رحمت دونوں چونکے۔ کرم بخش نے حیرت بھرے انداز سے پوچھا۔

"تو کیا آپ سرکاری ملازم ہیں؟"

"ہاں"

"کلرک ہونگے شاید کسی دفتر میں" کرم بخش نے اپنا اندازہ ظاہر کیا۔

"ہاں، میں کبھی کلرک تھا"

"کبھی تھے!" رحمت نے حیرانی سے کہا "تو کیا پھر آپ کو نکال دیا گیا؟"

"تم غلط سمجھ رہے ہو!"

"اچھا تو اب آپ کیا ہیں جناب!" رحمت نے مرعوب سا ہو کر کہا۔

"اب میں افسر ہوں" اجنبی نے کہا "اپنے محکمے کا افسرِ اعلیٰ"

"افسرِ اعلیٰ!" کرم بخش اور رحمت نے ایک ساتھ ڈرے ہوئے انداز سے کہا۔

"ہاں!" اجنبی نے ان کی حیرت اور ڈر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

رحمت ایک دم آگے بڑھ کر اجنبی کے قدموں پر گر گیا اور کہنے لگا۔

"مجھے معاف کر دیجئے جناب! اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا کہ آپ بہت بڑے افسر ہیں تو کبھی آپ سے یوں مذاق اور بے تکلفی نہ کرتا۔"

"کوئی بات نہیں" اجنبی نے کہا "تمہارے مذاق اور بے تکلفی نے مجھے بڑا لطف دیا ہے۔"

"لیکن جناب!" کرم بخش نے کہا "ایک اتنا بڑا سرکاری افسر ہوتے ہوئے آپ کو اس طرح مارا مارا پھرنے کی کیا ضرورت ہے اس طرح تو کوئی آوارہ کتا بھی نہیں پھرتا۔ آپ خان بہادر کے پاس کیوں نہیں جاتے۔ وہ اس علاقے کے سب سے بڑے آدمی ہیں۔"

"خان بہادر!" اجنبی نے کہا "نہیں، اس وقت اُن کے پاس

www.pdfbooksfree.pk

جانا مناسب نہیں۔ میں دولت پور جا رہا ہوں۔ تم دونوں کی مہربانی کا شکریہ!"

"ہم ایک دفعہ پھر آپ سے معافی چاہتے ہیں جناب!" کرم بخش نے کہا۔ "اگر ہمیں معلوم ہوتا تو آپ کے ساتھ کبھی اس طرح پیش نہ آتے۔ اگر حکم ہو تو ہم آپ کو دولت پور تک چھوڑ آئیں!"

"نہیں" اجنبی نے کہا "میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ بس ذرا راستہ بتا دو"

"جیسے آپ کی مرضی جناب!" کرم بخش نے کہا "آپ یہاں سے جائیں گے تو آگے دریا کا پل ہے۔ پل پار کرنے کے بعد کوئی سو قدم چلیں گے تو وہاں سے دائیں ہاتھ کو مڑ جائیں۔ سیدھے دولت آباد پہنچ جائیں گے۔"

"شکریہ!" اجنبی نے اپنا اٹیچی کیس اٹھاتے ہوئے کہا "خدا حافظ!"

"خدا حافظ جناب!" کرم بخش اور رحمت نے ایک ساتھ کہا۔

اجنبی اٹیچی کیس تھام کر چند قدم ہی چلا تھا کہ پیچھے سے رحمت نے آواز دی۔

"میں نے کہا جناب! ذرا دیکھ بھال کر قدم رکھنا۔ کہیں دریا میں نہ گر پڑنا!"

"جب وہاں دریا ہے" اجنبی نے رُکے بغیر کہا "تو اس گر پڑنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہو گی ـــــ خدا حافظ!"

"خدا حافظ!" کرم بخش اور رحمت نے پھر ایک ساتھ کہا۔

اجنبی مسافر جب آیا تھا تو اس کی چال سے تھکاوٹ کے آثار ظاہر تھے لیکن اب وہ تازہ دم ہو چکا تھا۔ کرم بخش اور رحمت اسے جاتے دیکھتے رہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

"مزا آگیا چاچا!" رحمت نے خوش ہو کر کہا "یہ ملانات خوب رہی!"

"ہاں خوب رہی!" کرم بخش نے کہا۔

"لیکن چاچا!" رحمت نے کہا "وہ روہو مچھلی! اس کا کیا کریں؟"

"کرنا کیا ہے!" کرم بخش نے کہا "چل کے اس کا بندوبست کرتے ہیں۔ یہ رہی اپنی مشعل اور ٹوکری!"

"مشعل اور ٹوکری!" رحمت نے خوشی سے کہا "آہا ہا! چاچا! میں تو تلا بازیاں کھاتے ہوئے وہاں جانا چاہتا ہوں۔"

"صبر سے کام لو بیٹے!" کرم بخش نے کہا "آؤ چلیں!"

رحمت نے مشعل اور ٹوکری سنبھالی۔ کرم بخش نے گدھا گاڑی کے قریب ہو کر گدھے کے سر کو ذرا تھپ تھپایا جیسے اسے کہہ رہا ہو کہ ہم ابھی آتے ہیں۔ پھر ڈبو کے جسم پہ ہاتھ پھیرا۔ اس کے بعد وہ دونوں دریا کی طرف چل دیئے۔ رحمت ہلکے ہلکے قہقہے لگاتا جا رہا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

اجنبی کی واپسی

کرم بخش اور رحمت کو گئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ چوکیدار شیر خاں پھر وہاں آپہنچا۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے وہ گدھا گاڑی کے قریب آیا۔ پھر اس نے قریبی درختوں کے جھنڈ کی طرف منہ کر کے کہا۔

"تم چاروں وہیں کھڑے رہو۔ جب تک میں سیٹی نہ بجاؤں، تم اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلنا۔"

"بہت اچھا!" درختوں کے جھنڈ میں سے آواز آئی "ٹھیک ہے!"

شیر خاں نے آگے بڑھ کر چیزوں کا جائزہ لیا۔ گدھا گاڑی کے پاس مختلف چیزیں اسی طرح بکھری پڑی تھیں۔ پھر شیر خاں اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

"وہ یقیناً تھوڑی دیر میں یہاں واپس آئیں گے اور کوئی شکار یا کوئی مچھلی بھی ان کے پاس یقیناً ہو گی۔ آج وہ بچ کے نہیں جا سکتے!"

اتنے میں اچانک سڑک پر قدموں کی آہٹ سنائی دی — شیر خاں نے چونک کر اس طرف دیکھا اور بولا۔

"ارے یہ سڑک پر کون ہے؟ اٹیچی کیس اٹھاتے ہوئے

یقیناً ان کا کوئی جوڑی دار ہو گا۔ اور کون ہو سکتا ہے ایسے بے وقت؛ مجھے بالکل شک نہیں۔ میں خود اس سے نپٹ لیتا ہوں۔ تم لوگ اپنی جگہ پر ہی رہنا۔"

درختوں کے جھنڈ میں تھوڑی سی کھسر پھسر ہوئی اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ شیر خاں ذرا نیچے کو جھکتے ہوئے درختوں کے سایوں کی آڑ لیتا ہوا ایسی جگہ پہنچا جہاں سے وہ نو وارد پر تیزی سے جھپٹ سکے۔

کچھ دیر بعد اجنبی مسافر اٹیچی کیس اٹھائے وہاں واپس آ گیا۔ لیکن اب کے اس کی حالت پہلے سے بہت مختلف تھی۔ اس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے اور ٹوپی غائب تھی۔ کپڑوں اور جسم پر کہیں کہیں کیچڑ بھی لگا ہوا تھا جس کی وجہ سے اس کی حالت نہایت افسوسناک نظر آ رہی تھی۔

"عزیزو! دوستو! مہربانو!" اس نے گدھا گاڑی کی طرف آتے ہوئے کہا "معاف کرنا!"

پھر اس نے دیکھا کہ وہاں کرم بخش اور رحمت میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہے تو افسوس بھرے لہجے میں اپنے آپ سے کہنے لگا۔

"چلے گئے!"

اچانک درختوں کے سایوں کی اوٹ سے شیر خاں چوکیدار

www.pdfbooksfree.pk

اجنبی پر جھپٹا۔

"آ گئے اب قابو! بدمعاش کہیں کے!"

اجنبی نے ہکا بکا ہو کر اپنا اٹیچی کیس نیچے رکھتے ہوئے اور اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ! مجھے جانے دو! تمہاری یہ جرأت!"

"ہوں! جانے دوں!" شیر خاں نے اجنبی کی کلائی پر اپنی گرفت کو مضبوط کرتے ہوئے کہا "تمہیں جانے دوں! اٹھائی گیرے چور کہیں کے!"

"اٹھائی گیرے! چور!" اجنبی نے تلملاتے ہوئے کہا "میں نے زندگی بھر ایسے توہین....."

"خاموش اور چپ چاپ کھڑے رہو!" شیر خاں جیسے گرجا

"ہرگز نہیں!" اجنبی نے احتجاج کیا۔

"تو میں کرتا ہوں تمہیں خاموش!" شیر خاں نے کہا اور دوسرے ہاتھ سے اجنبی کو ایک تھپڑ جڑ دیا۔

"تھپڑ!" اجنبی نے غصے سے تلملاتے ہوئے کہا "خدا کی پناہ! تھپڑ!"

یہ کہتے ہوئے اجنبی نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے آپ کو چھڑا لیا اور مکے بازوں کی طرح مٹھیاں بھینچ کر شیر خاں کے سامنے آتے ہوئے کہا۔

"یہ خیال نہ کرنا کہ میں اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکتا۔ میں کسی دیہاتی غنڈے سے ڈرنے والا نہیں، ہرگز نہیں!"

شیر خاں نے دوبارہ اجنبی کو پکڑنے کی کوشش کی تو اجنبی نے اسے پے در پے دو تین مکے رسید کر دیئے۔ جواب میں شیر خاں نے پھر ہاتھ اٹھایا تو اجنبی نے پھر اسے پیٹتے ہوئے کہا۔

"یہ لو ذلیل کتے کہیں کے! یہ خیال نہ کرنا کہ تم مجھے ڈرا سکو گے۔ میں چاہوں تو تمہاری کھال کھنچوا سکتا ہوں۔ میں کوئی چھوٹا موٹا سرکاری ملازم نہیں ہوں۔ اپنے محکمے کا افسرِ اعلیٰ ہوں افسرِ اعلیٰ!"

اجنبی کے ان الفاظ کے ساتھ شیر خاں نے حیرانی سے ایک چیخ سی ماری اور پیچھے ہٹتے ہوئے کہنے لگا۔

"افسر..... آپ نے کیا کہا تھا افسر.....؟"

"افسرِ اعلیٰ!" اجنبی نے کہا "کیا تم دیکھ نہیں سکتے۔ نہیں شاید تم اندھے ہو۔ میں پل پر سے گزرتے ہوئے دریا میں گر پڑا تھا۔ لیکن تم کون ہو؟"

"شیر خاں حضور!" شیر خاں نے لجاجت سے کہا "خان بہادر صاحب کا چوکیدار ہوں۔"

"خان بہادر!" اجنبی نے کہا "اچھا! اچھا!"

"افسرِ اعلیٰ!" شیر خاں نے اس انداز سے کہا جیسے اسے کچھ شک ہو "لیکن جناب آپ اس حالت میں کیا کر رہے تھے دریا

www.pdfbooksfree.pk

کے پل پر!"

"اس حالت میں!"

"اور اتنی رات گئے!" شیر خاں نے کہا

"تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں" اجنبی نے شیر خاں کو نفرت بھرے انداز سے دیکھتے ہوئے کہا "جاؤ اپنا کام کرو!"

"ٹھیک ہے حضور!" شیر خاں نے کہا "بہتر ہے، میں چلا جاتا ہوں۔ میں آپ پر ہاتھ اٹھانے کی وجہ سے بہت شرمندہ ہوں۔"

"کوئی بات نہیں" اجنبی نے اپنے بدن کو ذرا سہلاتے ہوئے کہا "میں نے تمہارا حساب تقریباً برابر کر دیا ہے۔"

"خدا حافظ جناب!" شیر خاں نے کہا

"خدا حافظ!" اجنبی نے بے اعتنائی سے جواب دیا۔

شیر خاں وہاں سے چلا گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد اجنبی نے اٹیچی کیس کھول کر ایک دھاری دار قمیص نکالی۔ یہ قمیص بھی بھیگی ہوئی تھی۔ اجنبی نے اسے نچوڑ کر گدھا گاڑی پر پھیلا دیا۔ آہستہ آہستہ اس کے چہرے پر بشاشت جھلکنے لگی۔ ایک ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا اور اس کے ساتھ ہی ایک اُلو کی آواز کہیں نزدیک ہی سے آئی جسے سن کر وہ خود بخود مسکرانے لگا۔

"پتا نہیں کہاں گئے وہ!" اجنبی نے جیسے اپنے آپ سے کہا "ہاں! میرا خیال ہے کہ دریا پہ گئے ہیں —— یوں! یوں!"

یہ کہتے ہوئے اجنبی نے اپنے ہاتھوں کو اس طرح حرکت دی جیسے رحمت نے ڈوگری کے ذریعے مچھلی کو دریا کے پانی سے باہر پھینکنے کی حرکت کا مظاہرہ کیا تھا۔ غیر ارادی طور پر اجنبی کے قدم دریا کی طرف بڑھے لیکن پھر جیسے رک گئے۔

"میں —— نہیں، نہیں! میں نہیں جاؤں گا!"

اجنبی بے قراری سے ٹہل رہا تھا جیسے اس کے ذہن میں ایک کشمکش ہو رہی ہو۔

"کیا حرج ہے!" اس نے جیسے اپنے آپ سے کہا "محض ایک نظر دیکھنے سے کیا فرق پڑتا ہے —— یوں! یوں!"

لیکن اجنبی نے پھر اپنے آپ کو روک لیا۔

"نہیں نہیں! ہرگز نہیں، بالکل نہیں، ایک لمحے کے لئے بھی نہیں!"

اجنبی اس حالت میں بے قراری سے ٹہلتا ہوا درختوں کے سائے میں چلا گیا تھا۔ چند لمحے بعد کرم بخش اور رحمت واپس آ گئے۔ رحمت نے ایک خاصی بھاری روہو مچھلی اٹھا رکھی تھی۔ کرم بخش کے ہاتھ میں ڈوگری اور اجنبی کی وہ ٹوپی تھی جو اس نے دریا سے نکالی تھی۔ اس کی نگاہ فوری طور پر اجنبی پر نہیں پڑی جو بے قراری سے ٹہلتے ہوئے درختوں کے سائے میں چلا گیا تھا۔ رحمت چولہے اور گدھا گاڑی کے نزدیک پہنچ گیا۔ اسے یا کرم بخش کو ابھی تک اجنبی کی واپسی کا علم نہیں ہوا تھا کہ اجنبی کی نگاہ کرم بخش کے ہاتھ

www.pdfbooksfree.pk

میں اپنی ٹوپی پر پڑی۔

"میری ٹوپی!" اجنبی خوش ہو کر ان دونوں کی طرف بڑھا۔

"اوہ!" ڈر کے مارے رحمت نے کہا۔ مچھلی اس کے ہاتھوں سے زمین پر گر گئی۔

"یا اللہ خیر!" کرم بخش نے ٹوکری ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

اتنے میں رحمت کی نظر اجنبی پر پڑی اور اس نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔

"ارے یہ تو اپنے افسر اعلیٰ ہیں!"

"مجھے افسوس ہے کہ میں ایک دفعہ پھر تمہیں پریشان کر رہا ہوں" اجنبی نے کہا "بات یہ ہوئی کہ میں دریا میں گر گیا تھا اور....."

یکایک اجنبی کی نگاہ اس بھاری بھرکم رو ہو مچھلی پر پڑی جو کرم بخش اور رحمت دریا سے لائے تھے۔ اس نے حیرت سے کہا۔

"یہ اور لے آئے؟"

"جی جناب!" رحمت نے مسکراتے ہوئے کہا "دیکھیے نا! ہم نے آپ کو پیشکش کی تھی کہ....."

یکایک رحمت کو جیسے کسی خطرے کا احساس ہوا۔

"چاچا!"

"کیا ہے؟" کرم بخش نے پوچھا۔

"وہاں ـــــ شیر خاں چوکیدار"

"شیر خاں!" کرم بخش نے حیرت سے کہا۔

"وہ منحوس پھر یہاں آ رہا ہے؟" اجنبی نے غصے سے کہا

"کوئی شخص ہمارے پیچھے لگا ہوا ہے چاچا!" رحمت نے کہا "ہم گھر گئے ہیں۔"

"تبھی وہ بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہا تھا" کرم بخش نے کہا

"یہ مچھلی تو میں اٹھا لوں گا چاچا!" رحمت نے کہا۔

"نہیں" کرم بخش نے روکتے ہوئے کہا "اسے شاید ابھی کسی نے نہیں دیکھا۔"

"تو پھر ہم کیا کریں!"

"کچھ سمجھ نہیں آتا" کرم بخش نے کہا "چھپانے کو تو گدھا گاڑی میں چھپا لوں لیکن وہ کم بخت تلاشی لے کر برآمد کر لے گا ـــــ اور وہاں تو پہلے ہی سنگھاڑا مچھلیاں پڑی ہیں۔"

"وہ آ رہے ہیں چاچا!" رحمت نے سہمے ہوئے انداز سے کہا۔

"ہاں، شیر خاں ہی ہے۔"

"مجھے اس سے نفرت ہے" اجنبی نے کہا "بے حد نفرت!"

"وہ تو بالکل قریب آ گئے ہیں چاچا!"

"بس بیٹے اب جیل خانہ....."

"اس کا نام نہ لو چاچا خدا کے لئے!" رحمت نے کہا اور پھر اجنبی سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "جناب! آپ ہی کچھ مدد کیجیے!"

www.pdfbooksfree.pk

"میں!" اجنبی نے حیرانی سے کہا۔

"اوہ جناب!" رحمت جیسے رو دیا "ہم مر جائیں گے اس کال کوٹھڑی میں!"

"ٹھہرو!" اجنبی نے جیسے ایک اچانک ارادے سے کہا "تمہارے خلاف ثبوت یہی مچھلی ہے نا؟"

"جی!" رحمت نے کہا۔

اجنبی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے چولہے کے نزدیک پڑی ہوئی مچھلی کے پاس جا کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

"اگر تم نے ہاتھوں سے چوری کا گناہ کیا ہے تو میں اپنے دل میں یہ گناہ کر چکا ہوں اور میں اس کیلئے کوئی نہ کوئی صورت نکال ہی لونگا۔"

کرم بخش اور رحمت نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اجنبی کی طرف دیکھا۔

"کیا کریں گے آپ؟" رحمت نے پوچھا۔

یہ کہتے ہوئے اجنبی نے گدھا گاڑی پر پڑی ہوئی اپنی قمیص اٹھالی۔

"یہ میری قمیص ہے جو بھیگ گئی تھی اور جسے میں نے سوکھنے کے لئے اس گاڑی پر پھیلا دیا تھا۔"

"جی!"

"میں اسے اس چولہے کے قریب بیٹھ کر بھی سکھا سکتا ہوں!" اجنبی نے کہا اور قمیص پھیلا کر چولہے کے قریب بیٹھ گیا۔

"جی!" رحمت نے کہا۔

"پھر میں اسے مچھلی پر ڈال دیتا ہوں" اجنبی نے یہ کہتے ہوئے قمیص کو مچھلی پر ڈال دیا۔

"اچھا جناب!" رحمت بولا "پھر؟"

"پھر میں اسے مچھلی کے گرد لپیٹ دیتا ہوں" اجنبی نے یہ کہتے ہوئے قمیص کو مچھلی کے گرد لپیٹ دیا۔

"پھر جناب؟"

"پھر میں اسے اپنے اٹیچی کیس میں ڈال لیتا ہوں" اجنبی نے کہا اور یہ کہتے ہوئے مچھلی اور قمیص کو اٹیچی کیس میں بند کر دیا۔

"وہ تو محفوظ ہو گئی جناب!" کرم بخش نے کہا "لیکن ہمارا تختہ پھر بھی ہو جائے گا۔"

"تم مطمئن رہو!" اجنبی نے کہا "کوئی معمولی سا چوکیدار مجھ جیسے افسر کی تلاشی لینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

"یہ رہا شیر خاں" رحمت نے آہستہ سے کہا، پھر بلند آواز سے اجنبی کو مخاطب کرنے اور شیر خاں کو سنانے کی غرض سے کہنے لگا۔

"بہت اچھا جناب! ہم بڑی خوشی سے آپ کو دولت آباد لے چلیں گے۔ بڑی خوشی سے جناب!"

اتنے میں شیر خاں درختوں کے جھنڈ سے نکل کر پھر وہاں آپہنچا۔ اُسے دیکھتے ہی اجنبی نے غصے اور ناگواری سے کہا۔

"تم پھر یہاں آ ٹپکے ہو!"

www.pdfbooksfree.pk

شیر خاں نے اجنبی کے سوال کو بالکل نظر انداز کر دیا اور اس کی بجائے کرم بخش سے کہنے لگا۔

"ابھی ابھی تم دریا پر کیا کر رہے تھے کرم بخش ـــــ بولو جواب دو!"

"دریا پر؟" کرم بخش شیر خاں کے اس اچانک سوال سے بدحواس سا ہو گیا۔

"ہاں دریا پر!" شیر خاں نے ایک اعتماد کے ساتھ کہا "وہاں تمہارے پاس روشنی تھی۔ بتاؤ کیا کر رہے تھے تم وہاں؟"

"ہم تو ان صاحب کی یہ ٹوپی لانے گئے تھے" کرم بخش نے اجنبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ ٹوپی جو ابھی تک کرم بخش کے ہاتھ میں تھی، شیر خاں کو دکھاتے ہوئے کہا۔

"ٹوپی!" شیر خاں نے حیرت سے کہا اور پھر اجنبی سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"آپ کی ٹوپی گم ہو گئی تھی کیا؟"

"ہاں" اجنبی نے جواب دیا۔

"تم مجھے اتنا بے وقوف نہ سمجھو کرم بخش!" شیر خاں نے کہا "یہ خیال نہ کرنا کہ تم ٹوپی کی کہانی گھڑ کر مجھ سے پیچھا چھڑا لو گے۔"

پھر وہ اجنبی سے مخاطب ہوا۔

"تو گویا آپ بھی ملی بھگت ہیں۔ کیا کہنے ہیں جناب کے! میں تم تینوں کو گرفتار کروں گا۔"

یہ کہتے ہوئے شیر خاں نے جیب سے اپنی سیٹی نکالی اور اسے ہونٹوں تک لے ہی گیا تھا کہ اجنبی نے کسی قدر غصے سے کہا۔

"اگر تم نے سیٹی بجائی تو تمہیں زندگی بھر پچھتانا پڑے گا۔"

"پچھتانا پڑے گا!" شیر خاں سیٹی بجاتے بجاتے رہ گیا "کیا سچ مچ! اچھا یہ تو بتا دیجیے ٹھیک ٹھیک کہ آپ کون ہیں؟"

"کیا میں نے تمہیں بتایا نہیں تھا؟" اجنبی نے کسی قدر سختی سے کہا "یا میرے کہے کا تمہیں یقین نہیں آیا۔ تم پڑھے لکھے ہو کہ نہیں؟"

"تھوڑا بہت پڑھ لیتا ہوں جناب!" شیر خاں نے کہا۔

"تو یہ دیکھو میرا کارڈ" اجنبی نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ پھر اپنی جیبیں ٹٹول کر چند لفافے نکالے اور وہ بھی شیر خاں کی طرف بڑھا دیئے۔

"انہیں دیکھو! ان سب پر میرا ایڈریس لکھا ہوا ہے۔"

شیر خاں نے کارڈ اور لفافے لے کر ان پر لکھا ہوا نام اور پتا پڑھا۔

"سید باقر حسین شاہ، افسر اعلیٰ....."

"اوہ میرے اللہ!" رحمت نے زیر لب کہا۔

"تو گویا آپ واقعی افسر اعلیٰ ہیں" شیر خاں نے مجبوری کے انداز میں کہا۔

"میں تمہارے مالک خان بہادر عظمت علی خاں کو جانتا ہوں"

www.pdfbooksfree.pk

اجنبی نے کارڈ اور لفافے شیر خاں سے واپس لیتے ہوئے کہا" اور تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ ان خطوں میں ایک دعوت نامہ ہے جو ایک تقریب میں شرکت کے لئے مجھے ان کی طرف سے موصول ہوا ہے اور وہ تقریب کل ہے۔"

"ہیں!" رحمت نے چونک کر کہا" چاچا! یہ وہی تقریب تو نہیں جو مڈل سکول کو ہائی سکول بنانے کے سلسلے میں ہو رہی ہے!"

"وہی ہو گی" کرم بخش نے جواب دیا۔

"میں نے سنا ہے کہ اس موقع پر دعوت کے لئے ایک بہت بڑی رو ہو مچھلی خریدی جا رہی ہے" رحمت نے کہا

"میرا خیال ہے تم حلال کی کمائی کا ایک روپیہ کمانا پسند کرو گے رحمت!" اجنبی نے کہا" میرا اٹیچی کیس اٹھا لو!"

"اٹھا لوں!" رحمت نے خوشی سے آگے بڑھ کر اٹیچی کیس اٹھانے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے جناب! میں یہ اٹیچی کیس اٹھائے لیتا ہوں۔"

"اور میرے ساتھ دولت پور تک چلو!" اجنبی نے جیسے حکم دیا۔

"جناب!" کرم بخش نے جیسے درخواست کی" حکم ہو تو ہم آپ کو اپنی گدھا گاڑی میں وہاں تک چھوڑ آتے ہیں۔"

"گدھا گاڑی میں!" اجنبی نے کسی قدر حیرت سے کہا" تھکاوٹ تو مجھے بے حد محسوس ہو رہی ہے لیکن گدھے کی سواری کچھ عجیب سی

بات ہے میرے لئے۔"

"اور کسی سواری کا تو بندوبست اس وقت نہیں ہو سکتا جناب!" کرم بخش نے ذرا ہنستے ہوئے کہا" اور پھر آپ گدھے پر تھوڑے سوار ہوں گے۔ آپ گاڑی میں بیٹھیں گے اور گدھا اس گاڑی کو کھینچے گا۔ کھینچے گا بھی کیا جناب! ہوا سے باتیں کرتا جائے گا۔ آپ بھی کیا یاد کریں گے کہ کسی گاڑی میں بیٹھے تھے۔"

"میں تم لوگوں کو مزید تکلیف نہیں دینا چاہتا" اجنبی نے کہا۔

"اس میں تکلیف کی کوئی بات نہیں ہے جناب!" کرم بخش نے کہا" یوں سمجھ لیجئے کہ آپ کرائے کی گاڑی میں بیٹھے ہیں۔"

"اچھا! اچھا!" اجنبی نے جیسے آمادگی ظاہر کر دی۔

"یہ اٹیچی کیس گاڑی میں رکھ دو رحمت!" کرم بخش نے جیسے حکم دیا" اور دوسرا سامان بھی سمیٹ لو!"

رحمت نے فوراً اٹیچی کیس گدھا گاڑی میں رکھ دیا اور زمین پر پڑی ہوئی دوسری چیزیں سمیٹنے لگا۔

کرم بخش نے گدھے کو گاڑی میں جوتا، پھر ایک چادر تہ کر کے اپنے اجنبی مہمان کے لئے نشست کے طور پر گاڑی میں بچھاتے ہوئے کہا۔

"آئیے یہاں تشریف رکھیے جناب!"

اجنبی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے گدھا گاڑی کی طرف

www.pdfbooksfree.pk

بڑھا اور کسی قدر ہچکچاہٹ ظاہر کرتے ہوئے اس نشست پر بیٹھ گیا جو کرم بخش نے اس کے لئے تیار کی تھی۔

اتنی دیر میں رحمت سب چیزیں سمیٹ کر گدھا گاڑی میں رکھ چکا تھا۔ کرم بخش آگے بیٹھ گیا اور رحمت پیچھے اجنبی کے قریب۔ گدھا گاڑی چلنے لگی تو اجنبی نے شیر خاں کی طرف دیکھا جو ابھی تک مارے حیرت کے بت بنا اپنی جگہ کھڑا تھا۔

"خدا حافظ شیر خاں!" اجنبی نے کسی قدر تلخی سے کہا

"خدا حافظ جناب!" شیر خاں نے کسی قدر بے رُخی اور مجبوری سے جواب دیا۔ اس کے رویّے سے صاف ظاہر تھا کہ اس کا شک ابھی تک پورے طور پر دور نہیں ہو سکا۔

"خدا حافظ شیر خاں!" رحمت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خدا حافظ میاں شیر خاں!" کرم بخش نے کہا" اور میں تمہیں ایک بات نصیحت کے طور پر بتا دوں شاید کبھی تمہارے کام آجائے۔ وہ یہ ہے کہ تم ایسے شخص ہو جو کسی کام کے کرنے میں ضرورت سے زیادہ جلدی کرتے ہیں۔ سمجھے!"

شیر خاں نے اس کے جواب میں کچھ نہیں کہا اور تیزی کے ساتھ درختوں کے جھنڈ کی طرف واپس چلا گیا۔

"واقعی ضرورت سے زیادہ!" اجنبی نے کرم بخش کی تائید کی۔

اتنے میں قریب سے ایک چیتے کی آواز سنائی دی۔

"سبحان تیری قدرت!" اجنبی نے کہا

ہے میرے دوست! جو ہونا تھا سو ہو چکا ہے۔ چلو سید حسین شاہ

کرم بخش نے گدھے کو چھیڑ دیا اور گدھا گاڑی کرم بخش، رحمت اور اجنبی کو لئے دولت پور کی طرف روانہ ہو گئی۔

www.pdfbooksfree.pk

چوری کا منصوبہ

اگلے روز عظمت آباد میں ہائی سکول کے افتتاح کی تقریب تھی۔ پورا قصبہ دلہن کی طرح رنگ برنگ جھنڈیوں اور آرائشی دروازوں سے سجا ہوا تھا۔ سکول کے وسیع احاطے میں قناتیں لگی تھیں، کرسیاں بچھی تھیں۔ علاقے بھر کے لوگ اس تقریب کی رونق کو دوبالا کرنے کے لئے پہنچے ہوئے تھے ـــــ رونق کو دوبالا کرنے کے لئے آنے والے ان لوگوں میں کرم بخش اور رحمت بھی شامل تھے۔

اس تقریب کی رونق دیکھنے والوں کے لئے بڑی دلچسپی اور حیرت کا باعث تھی کیونکہ اس سے خان بہادر کی شخصیت کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا تھا۔ لیکن کرم بخش اور رحمت کے لئے حیرانی کی بات کچھ اور ہی تھی۔ انہوں نے اس تقریب کی کرسیٔ صدارت پر اس شخص کو بیٹھے دیکھا تھا جو گزشتہ رات سڑک کے کنارے ان کا مہمان رہ چکا تھا۔ وہی سید باقر حسین شاہ جنہیں وہ اپنی گدھا گاڑی میں بٹھا کر دولت پور تک لے گئے تھے ـــــ وہی افسرِ اعلیٰ جنہوں نے روہو مچھلی اپنے اٹیچی کیس میں چھپا کر ان دونوں کو شیر خاں کے ہاتھوں گرفتار ہونے سے بچایا تھا ـــــ وہی اب

ہائی سکول کا افتتاح کر رہے تھے۔

کرم بخش اور رحمت سے زیادہ حیرانی سید باقر حسین شاہ کو اس وقت ہوئی جب افتتاحی رسم کے بعد دعوت شروع ہوئی اور سالم روسٹ مچھلی کا خوان ان کے سامنے آیا۔ انہیں حیرانی اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ روسٹ مچھلی ان کا پسندیدہ کھانا تھا بلکہ ان کی حیرت کا باعث وہ مچھلی تھی جو اس خوان میں پڑی تھی۔

وہ اسے دیکھتے ہی پہچان گئے تھے۔ یہ روہو مچھلی تھی ـــــ وہی روہو مچھلی جو کرم بخش اور رحمت دریا سے لائے تھے اور جسے انہوں نے کرم بخش اور رحمت کو بچانے کی خاطر اپنے اٹیچی کیس میں بند کر لیا تھا ـــــ گویا اس دعوت کے لئے اپنے پسندیدہ کھانے کی فراہمی کا بندوبست انہوں نے خود کیا تھا۔

یہ سوچتے ہوئے انہیں ہنسی آگئی۔ تاہم اس وقت وہ خاموش رہے کیونکہ خان بہادر اور کئی دیگر معزز لوگ ان کے آس پاس موجود تھے، لیکن رات کو جب انہوں نے خان بہادر کے مہمانِ خاص کے طور پر ان کی حویلی میں قیام کیا تو انہوں نے وہ لطیفہ خان بہادر کو سنا ڈالا جو ان کے ساتھ گزشتہ رات سڑک کے کنارے پیش آیا تھا۔

خان بہادر اس دلچسپ لطیفے کو سن کر بہت محظوظ ہوئے لیکن اس سے انہوں نے اپنے ذہن میں جو نتیجہ اخذ کیا، وہ کچھ اور

www.pdfbooksfree.pk

ہی تھا۔ خان بہادر کا ذہن تو ہر وقت اس مسئلے سے دوچار رہتا تھا کہ کس طرح اپنی اس تصویر سے نجات حاصل کریں۔ جس سے انہیں سخت ناگواری محسوس ہوتی تھی۔ ان کی توقع کے عین مطابق اس تقریب کے موقع پر بھی بہت سے لوگوں نے اس تصویر کی تعریف کی تھی۔ شاید ان کا مقصد محض خان بہادر کو خوش کرنا تھا اور جوابی طور پر ان لوگوں کو خوش کرنے کی خاطر انہوں نے یہ تعریفیں خندہ پیشانی سے قبول کی تھیں۔

اب جو ان کے سامنے کرم بخش اور رحمت کے دلچسپ کردار آ۔۔۔ تو انہوں نے اپنے ذہن میں ایک منصوبہ مرتب کرنا شروع کیا جس کے تحت وہ تصویر سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان دونوں سے کام لے سکتے تھے۔ پہلے تو وہ تصویر سے نجات حاصل کرنے کے لئے ساری حویلی کو آگ لگا دینے کی سوچا کرتے تھے، لیکن اب حویلی کو آگ لگانے سے کہیں زیادہ سستی اور محفوظ سکیم ان کے دماغ میں آ گئی تھی۔ تاہم انہوں نے اپنے مہمانِ خاص یا کسی اور سے اس کا ذکر نہیں کیا اور کسی ایسے مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے جب وہ اپنی سکیم کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

خان بہادر کو کچھ زیادہ دنوں تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ہائی سکول کے افتتاح کی تقریب کے دوسرے یا تیسرے روز کی بات

ہے کہ کرم بخش جو اب تک ایک بار بھی پولیس کے ہتھے نہیں چڑھا تھا۔ بدقسمتی سے ایک مُرغی چراتا ہوا پکڑا گیا۔

علاقے میں کتنی ہی چوریاں ہو چکی تھیں اور ابھی تک چوروں کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ عام خیال یہی تھا کہ چوری کی یہ وارداتیں کسی اِکّا دکّا چور کی نہیں بلکہ ان کے پیچھے چوروں کے کسی گروہ کا ہاتھ ہے۔

کرم بخش یوں تو مُرغی چرانے کے معمولی جرم میں پکڑا گیا تھا لیکن یہ بات بڑی اچھی طرح علاقے کے لوگوں اور پولیس کے علم میں تھی کہ وہ ایک پرانا اور مشہور چور ہے۔ اس لئے ہر کسی نے یہی سمجھا کہ وہ ان ساری چوریوں کا پورا پورا ذمہ دار نہیں تو بھی ان چوریوں میں اس کا ہاتھ ضرور ہے۔ کئی لوگوں نے تو پولیس کے اہلکاروں کو مبارک باد بھی دی تھی کہ چور کی گرفتاری کے بعد پورے علاقے نے سُکھ اور چین کا سانس لیا ہے۔

پولیس نے اپنا کیس انہی باتوں کو سامنے رکھ کر تیار کیا تھا۔ پولیس کرم بخش سے مزید چوریوں کا اعتراف کروانا چاہتی تھی پچھلی تمام چوریاں جو اب تک علاقے میں ہوئی تھیں۔ وہ سب کرم بخش کے کھاتے میں ڈال دی گئی تھیں اور اب پولیس کی ساری کوشش اس بات پر تھی کہ کسی نہ کسی طرح کرم بخش ان چوریوں کا اعتراف کر لے۔

www.pdfbooksfree.pk

مقدمہ خان بہادر کی عدالت میں پیش ہوا۔ پولیس نے اپنی طرف سے بڑا مضبوط کیس تیار کیا تھا۔ کئی موقع کے گواہ پیش کئے تھے جنہوں نے کرم بخش کو مرغی چراتے ہوئے عین موقع پر پکڑا تھا۔ کئی اور گواہ بھی پیش ہوئے تھے جن کے بیانات سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ علاقے میں ہونے والی پچھلی کئی چوریوں میں کرم بخش کا ہاتھ ہے۔ پولیس نے یہ درخواست کی تھی کہ ملزم کا دس روز کے لئے جسمانی ریمانڈ دیا جائے تاکہ پولیس اسے اپنی تحویل میں رکھ کر اس سے گزشتہ چوریوں کے بارے میں معلوم کر سکے۔

کرم بخش کا اپنا بیان یہ تھا کہ پولیس نے محض اس ناکامی اور شرمندگی پر پردہ ڈالنے کے لئے اسے نشانہ بنایا ہے جو علاقے میں ہونے والی چوریوں کی وجہ سے پولیس کو اٹھانی پڑی ہے۔

پولیس کی مضبوط شہادتوں کے مقابلے میں کرم بخش کا اپنا بیان کچھ زیادہ اہم اور وزنی نہیں تھا لیکن خان بہادر تو ملزم کا نام معلوم ہونے کے بعد ہی اپنے ذہن میں ایک فیصلہ کر چکے تھے۔ جیسے ہی انہیں یہ علم ہوا تھا کہ یہ مقدمہ کرم بخش نامی چور کے خلاف ہے، انہیں وہ دلچسپ لطیفہ یاد آ گیا تھا جو سڑک کے کنارے سید باقر حسین شاہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ان کے ذہن میں اپنی نصوبے سے نجات حاصل کرنے کی وہ سکیم تازہ ہو گئی تھی جسے انہوں نے بڑی احتیاط سے مرتب کیا تھا۔ بظاہر یہ سکیم خاصی

واہیات اور ایک حد تک پُرخطر تھی لیکن بہر حال اس پر عمل کیا جا سکتا تھا۔

چنانچہ خان بہادر نے پولیس کی ساری کارروائی پر پانی پھیر دیا۔ تمام شہادتیں اور بیانات سننے کے بعد انہوں نے کرم بخش کو صاف بری کر دیا اور یوں پولیس کے تمام منصوبوں کو اپنے منصوبے کی خاطر خاک میں ملا دیا۔ انہوں نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔

"استغاثہ کی شہادتیں اتنی مضبوط اور معتبر نہیں ہیں کہ ملزم کرم بخش کو مزید تحقیقات کے لئے پولیس کی تحویل میں رکھنے کا حکم دیا جا سکے، اس لئے ملزم کرم بخش کو بری کیا جاتا ہے۔ تاہم میں اس کی بھلائی کی خاطر اس سے چند باتیں ضرور کرنا چاہتا ہوں۔"

اس طرح خان بہادر یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ انہیں انسانی طور پر کرم بخش سے ہمدردی ہے اور وہ اپنی نیکی اور خیر خواہی کے جذبے کو ایک چور پر بھی آزمانا چاہتے ہیں۔

چنانچہ دوپہر کے وقت جبکہ خان بہادر عدالت کے ریٹائرنگ روم میں کرسی پر آرام فرما رہے تھے، ایک سپاہی کرم بخش کو ساتھ لئے ہوئے آیا اور وہاں چھوڑ گیا۔

"کرم بخش!" خان بہادر نے اسے دیکھتے ہی کہا "تمہاری قسمت اچھی ہے۔ یہ بات تمہیں خود بھی معلوم ہے۔"

یہ کہتے ہوئے انہوں نے کرم بخش کی طرف غور سے دیکھا——

www.pdfbooksfree.pk

سرے پاؤں تک ایک نگاہ ڈالی۔ بے ترتیب بال اور کمزور سا جسم۔ انہیں وہ کسی طرح بھی چور نظر نہیں آ رہا تھا۔ ان کے خیال میں تو چور کو تو بڑا چست چالاک اور پھرتیلے بدن والا ہونا چاہیئے۔ جبکہ کرم بخش تو اس شخص کی طرح دکھائی دیتا تھا جسے کسی نوکری کی تلاش کرتے کرتے سال ڈیڑھ سال گزر گیا ہو اور وہ کسی نہ کسی کھینچ تان کر اپنا وقت پورا کر رہا ہو۔ اس کا لباس بڑا میلا تھا۔ کپڑوں پہ کہیں کہیں چکنائی اس طرح لگی ہوئی تھی جیسے تیل کی تیل والی کپی پہ ہوتی ہے۔ چھوٹی سی داڑھی اور میلے کچیلے ہاتھ۔ یوں لگتا تھا جیسے پیدائش کے بعد وہ کبھی نہایا ہی نہیں۔

"ہاں جناب!" کرم بخش نے جواب دیا "مجھے اچھی طرح معلوم ہے!"

پھر کرم بخش آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا ان کے قریب آ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

"آپ نے مجھے یاد فرمایا ہے، بتائیے کیا کام ہے؟"

خان بہادر پہ ایک دم حیرت سی چھا گئی ——— ایک چور اور ان کے ساتھ اس طرح گفتگو کرے! لیکن اب وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔ انہوں نے تو خود ہی کرم بخش کو بری کر کے بے قصور ثابت کر دیا تھا ——— اب وہ ہوا کی طرح آزاد تھا ——— جہاں جی چاہے جائے، جیسے چاہے بات کرے۔

"تم سید باقر حسین شاہ صاحب کو اپنی گدھا گاڑی میں [illegible]"

ے گئے تھے!" خان بہادر نے بظاہر لاپرواہی سے کہا۔

خان بہادر کے یہ الفاظ سن کر کرم بخش انجانے اندیشوں سے سہم سا گیا۔ اس نے سوچا کہ سید باقر حسین شاہ نے ساری بات خان بہادر کو بتا دی ہو گی اور خان بہادر اس کی آڑ لے کر جب چاہیں، اسے قابو کر سکتے ہیں۔

"انہوں نے تمہاری بڑی تعریف کی ہے" خان بہادر نے اپنی بات جاری رکھی "تمہاری بڑی سفارش کی ہے کہ تم بڑے کام کے آدمی ہو"

یہ کہہ کر خان بہادر نے کرم بخش کی طرف کہ اس پہ ان الفاظ کا کیا اثر ہوا۔ ان الفاظ سے کرم بخش کو کچھ کچھ اطمینان تو ہو گیا تھا لیکن خطرے کی تلوار تو بہر حال اب اس کے سر پہ لٹک رہی تھی۔ خان بہادر جب چاہتے، وار کر سکتے تھے۔

"شاہ صاحب ہمارے پرانے مہربان ہیں" خان بہادر نے پھر کہا "اس لئے ہمارا خیال تھا کہ شاید ہم تمہارے ساتھ کچھ بھلائی کر سکیں ——— تمہاری کچھ خیر خواہی کر سکیں!"

"بڑی اچھی بات ہے جناب!" کرم بخش نے حوصلہ کر کے کہا "لیکن خدا کے لئے مجھے اپنی ہمدردی کے جال میں پھانسنے کی تکلیف بالکل نہ کریں جناب! مجھے نہ کسی نئی زندگی کی ضرورت ہے اور نہ کسی نئے کاروبار کی۔ مجھے کسی کی امداد اور سہارے کی

www.pdfbooksfree.pk

بھی ضرورت نہیں اور مجھے کسی موقع کی بھی تلاش نہیں۔ مجھے جس موقع کی ضرورت ہو، وہ قدرت خود پیدا کر دیتی ہے۔ ویسے اگر کوئی شخص مجھے کوئی رقم دینا چاہے تو میں نے لینے سے کبھی انکار نہیں کیا۔ چاہے یہ رقم کتنی ہی معمولی ہو — کبھی بھی انکار نہیں کیا۔"

"ہمارا خیال ہے کہ ہمیں اس پیشے سے کوئی خاص آمدنی نہیں!" خان بہادر بولے۔ کرم بخش ہنس دیا۔

"بس ہم چچا بھتیجا دونوں کی گزر ہو جاتی ہے جناب۔ فضول خرچی ہم نے کبھی کی ہی نہیں۔ مزے سے زندگی کے دن کٹ رہے ہیں۔"

"کبھی پہلے بھی پولیس کے قابو میں آئے ہو؟" خان بہادر نے پوچھا۔

"نہیں جناب" کرم بخش نے جواب دیا "یہ پہلا موقع تھا۔ آپ کی بڑی مہربانی کہ آپ نے مجھے بری کر دیا۔ اب مجھے آئندہ کے لئے نصیحت ہو گئی ہے اور میں محتاط رہوں گا۔

لیکن جناب! ان ساری باتوں سے مطلب کیا ہے آپ کا؟ جلدی کریں مجھے کئی اور کام کرنے ہیں۔"

خان بہادر نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور بولے۔

"بیٹھ جاؤ!"

کرم بخش ان کے سامنے ہی دوسری کرسی پر بیٹھ گیا اور جس طرح خان بہادر نے اپنی کہنیاں میز پر ٹکا رکھی تھیں، اس طرح اس نے بھی اپنی کہنیاں میز پر ٹکا دیں اور کہنے لگا۔

"فرمائیں جناب!"

خان بہادر کو کرم بخش کے غلیظ جسم اور میلے کچیلے لباس سے ایک عجیب سی کراہت اور ناگواری محسوس ہو رہی تھی۔ تاہم انہوں نے اسے دبانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے اب تک جتنے بھی کام کئے ہیں، وہ قانون اور معاشرے کے خلاف جرم کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن ایک ایسی چوری کرنے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو جرم نہیں۔ بالکل قانون کے دائرے کے اندر۔"

یہ کہتے ہوئے خان بہادر کی نظریں کرم بخش کی طرف دیکھنے کی بجائے کمرے کا چکر لگا رہی تھیں۔

"میں کچھ نہیں سمجھا جناب!" کرم بخش نے سچ مچ حیران ہو کر کہا "صاف صاف بات کریں۔"

"ہماری حویلی میں ہماری ایک تصویر ہے" خان بہادر نے کہا "اور ہم چاہتے ہیں کہ وہ چوری ہو جائے۔"

"چوری ہو جائے؟"

"ہاں" خان بہادر نے کہا "ہم اس تصویر سے چھٹکارا حاصل

www.pdfbooksfree.pk

کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ بھی چاہتے ہیں کہ لوگ یہی خیال کریں کہ کسی نے وہ تصویر چرا لی ہے۔"

"جناب!" کرم بخش نے تجویز پیش کی "آپ خود ہی کسی رات وہ تصویر چرا کر جلا کیوں نہیں دیتے؟"

"یہ تو فریب اور دھوکا ہوگا لوگوں کے ساتھ" خان بہادر نے کہا "پھر ہم لوگوں سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ تصویر چوری ہو گئی ہے جبکہ وہ چوری نہیں ہوئی۔ ہم جھوٹ بالکل نہیں بولنا چاہتے۔ چوری سولہ آنے صحیح چوری ہونی چاہیئے۔"

"کتنے روپے ہوں گے؟" کرم بخش نے پوچھا۔

"روپے!"

"آپ مجھے اس کام کا کتنا معاوضہ دیں گے جناب؟"

"معاوضہ! اس کام کا معاوضہ!" خان بہادر نے ذرا گرم ہو کر کہا "کتنا معاوضہ دیں گے! کیوں! کاہے کے لئے؟ ہم تمہیں ایمانداری سے ایک ایسی تصویر چرانے کا موقع دے رہے ہیں۔ جس کی قیمت آج بھی دس ہزار روپے سے کم نہیں۔ اوپر سے تم اور معاوضہ مانگتے ہو! تمہیں پتا نہیں دور دور سے لوگ آتے ہیں اس تصویر کو دیکھنے کے لئے!"

"تو جناب! اگر یہ بات ہے تو آپ اس تصویر سے پیچھا کیوں چھڑانا چاہتے ہیں؟"

"یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے" خان بہادر نے کہا "ہمیں —— نہیں، ہماری بیگم کو وہ تصویر اچھی نہیں لگتی۔ لیکن وہ ایک تحفہ ہے جو ہمیں پیش کیا گیا تھا۔ سمجھے ہو کہ نہیں؟"

"لیکن جناب!" کرم بخش کہنے لگا "میں اسے کیا کروں گا؟ وہ کوئی سونے کی اینٹ تو ہے نہیں جسے پگھلا کر اشرفیاں بنالی جائیں۔ آپ کا کہنا ہے کہ دور دور سے لوگ اس تصویر کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ سارا جہان اس تصویر کے بارے میں جانتا ہے۔ میں تو اسے جہاں جا کر بھی فروخت کروں گا، دھر لیا جاؤں گا۔ یہ تو تاج محل چرا کر بیچنے والی بات ہے جناب!"

"بے وقوف!" خان بہادر نے کہا "تمہیں کچھ پتا نہیں۔ بھلے آدمی! تم اس تصویر کو سال دو سال اپنے پاس ہی رکھنا۔ اتنے عرصے میں لوگ چوری کی بات کو بھول جائیں گے۔ اس کے بعد تم اسے جہاں کہیں بھی لے جا کر فروخت کرو گے، تمہارے کم از کم بارہ ہزار روپے کھرے ہو جائیں گے بلکہ شاید اس سے کچھ زیادہ ہی!"

کرم بخش نے پہلے تو اپنا سر ہلایا اور پھر انگلیوں سے میز کو طبلے کی طرح بجانے لگا۔ پھر ایک دم اس کی آنکھیں خوشی سے جھلکنے لگیں۔ وہ بولا۔

"بہت اچھا جناب! میں آپ کی بات رد نہیں کر سکتا۔"

www.pdfbooksfree.pk

"کب کرو گے یہ کام؟" خان بہادر نے بڑی مشکل سے اپنی دلی خوشی چھپاتے ہوئے کہا۔

"آج رات؟"

"نہیں جناب!" کرم بخش نے کہا "آج رات میں فارغ نہیں ہوں — کل — نہیں، کل بھی میں فارغ نہیں ہوں۔"

"تمہارے پاس خاصا کام معلوم ہوتا ہے!" خان بہادر نے حیرانی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"تو آپ کا کیا خیال ہے جناب!" کرم بخش نے کہا "میں یونہی ڈنڈے بجاتا پھرتا ہوں۔ کام کرتا ہوں جناب کام — اور جناب آپ کا کام میں پرسوں رات کر لوں گا۔ کام تو مجھے پرسوں بھی ہے۔ سیٹھ ارشاد علی کے ہاں کچھ سامان پہنچانا ہے۔ پر خیر، وہاں سے فارغ ہو کر آپ کی طرف آجاؤں گا۔"

"لیکن پرسوں تو شب برات ہے" خان بہادر نے کہا

"شب برات چھوڑ چاہے عید ہو" کرم بخش نے کہا "ہمیں کیا!"

بات شب برات پر طے ہو گئی۔

"اب میں تمہیں حویلی کا نقشہ سمجھا دوں" خان بہادر نے کہا۔

"اس لئے کہ تمہیں....."

کرم بخش کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"آپ کا کیا خیال ہے جناب؟ جب سے آپ کی حویلی بنی ہے

میں نے اسے دیکھا ہی نہیں؟ مجھے اس کا کچھ پتا ہی نہیں! آپ نے کیا سمجھا ہے مجھے؟ میں کوئی اول جلول نہیں، سولہ آنے پورا ہوں اپنے کام میں جناب! سولہ آنے پورا!"

خان بہادر شرمندہ سے ہو کر چپ ہو گئے اور انہوں نے کرم بخش کے کہنے کے مطابق تصویر کی چوری کے پروگرام کی منظوری دے دی۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ کرم بخش جو انہیں شکل اور جسم کے لحاظ سے کسی طرح بھی چور نظر نہیں آتا تھا جسے وہ مسکین سا شخص سمجھ بیٹھے تھے، اپنے کام میں استاد ہے۔ اس احساس سے انہیں اندرونی طور پر بڑی خوشی ہوئی۔ انہیں اطمینان ہو گیا تھا کہ کرم بخش اپنے کام کو نہایت خوبصورتی اور صفائی سے انجام دے گا۔

"مجھے صرف اس بات کا فکر ہے جناب!" کرم بخش نے جاتے ہوئے کہا "اور وہ یہ کہ کہیں بعد میں آپ لوگوں سے یہ نہ کہیں کہ آپ نے جہاں تک ہو سکا، میری بھلائی اور خیر خواہی کی اور میں نے آپ ہی کی حویلی سے نایاب تصویر چرا لی — اور پھر آپ کہیں گے کہ یہ نیچ لوگ بڑے کمینے اور ناشکرگزار ہوتے ہیں، جس برتن میں کھاتے ہیں اسی میں چھید کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی نیکی، کوئی احسان نہیں کرنا چاہیئے — مجھے یقین ہے کہ آپ بعد میں کچھ ایسی ہی باتیں کریں گے۔ لیکن میں بہرحال آپ سے کیا ہوا وعدہ پورا کروں گا۔"

اتنا کہہ کر وہ خان بہادر کو سلام کر کے باہر کی طرف بڑھ گیا۔

www.pdfbooksfree.pk

تصویر اور فریم

خان بہادر کو سرکار کی طرف سے خان بہادر کے خطاب کے ساتھ جو پچاس مربع زمین انعام کے طور پر ملی تھی، وہ عظمت آباد سے آٹھ دس میل کے فاصلے پر تھی۔ اس کا انتظام خان بہادر نے اپنے بڑے لڑکے کو سونپ رکھا تھا، اور اس نے وہیں اپنے بال بچے سمیت رہائش اختیار کر رکھی تھی۔ خان بہادر کا دوسرا لڑکا شہر میں تھا اور ایک بینک کا منیجر تھا۔ عید، بقرعید اور شب برات کے موقع پر وہ سب کے سب خان بہادر کی حویلی میں جمع ہو جاتے تھے اور پھر حویلی میں ہر تہوار شایانِ شان طریقے سے منایا جاتا تھا۔

لیکن اب کے شب برات کے موقع پر سب نے بڑے لڑکے کے مکان پر جمع ہونا تھا۔ چند روز پہلے ہی بڑے لڑکے کی بیوی کے ہاں بچہ ہوا تھا اور وہ اس حالت میں سفر نہیں کر سکتی تھی۔ خان بہادر اور ان کی بیگم کو بھی اپنے پوتے کو دیکھنے کی بڑی خواہش تھی، اس لئے انہوں نے وہیں جا کر شب برات منانا منظور کر لیا تھا — اور یہ خان بہادر کی زندگی میں پہلا موقع تھا کہ کوئی تیوہار حویلی سے باہر منایا جا رہا تھا، اس کے پورا ہونے

میں اس سے بڑی مدد ملتی تھی۔

شب برات کے روز فجر کے وقت سے ہی خان بہادر نے اپنے بڑے لڑکے کے پاس جانے کی تیاری شروع کر دی۔ نوکروں کو چھٹی دے دی گئی کہ وہ بھی اپنے بال بچوں کے ساتھ شب برات منا لیں۔ حویلی میں صرف دو نوکر رہ گئے۔ ان کے ذمے حویلی کی رکھوالی کا کام تھا۔ خان بہادر نے کوئی زیادہ دن تو نہیں لگانے تھے۔ جا کر دوسرے ہی دن واپس آ جانا تھا۔

اپنے بڑے لڑکے کے ہاں پہنچ کر خان بہادر کو ئی عصر کے وقت تک حلوہ پوڑی کے ساتھ انصاف کرتے رہے پھر یکایک انہیں تصویر کا خیال آ گیا۔ انہوں نے بیگم سے کہا۔

"میں اب واپس جا رہا ہوں۔ تم یہیں رہو، کل صبح آ جانا۔"

بیگم سن کر حیران ہو گئی۔ اس نے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟ خیر تو ہے؟"

"کچھ نہیں" خان بہادر نے کہا "میں بھول گیا تھا۔ ایک بڑا ضروری مقدمہ ہے جس کا فیصلہ صبح سنانا ہے۔ وہ فیصلہ لکھنا ہے۔ ہاں تو تمہیں پتا ہی ہے یہ بات ہو ہی نہیں سکتی۔ سارے کاغذات بھی وہیں ہیں۔"

بیگم کو سمجھانے کے بعد خان بہادر نے اپنے دونوں لڑکوں کو اپنی بے وقت واپسی کی مجبوری سے آگاہ کیا — اور پھر وہاں

www.pdfbooksfree.pk

سے چلے آئے۔

حویلی میں دو نوں نوکر موجود تھے۔ خان بہادر نے آتے ہی انہیں بھی گھر جانے کی اجازت دے دی کہ وہ بھی اپنے بال بچوں کے ساتھ شب برات منالیں۔ دونوں نوکر خوش خوش اپنے اپنے گھر چلے گئے — اب حویلی میں خان بہادر کے سوا اور کوئی شخص نہ تھا۔

انہوں نے سوچا کہ یہ سارا معاملہ بڑی خوش اسلوبی سے طے ہو گیا ہے۔ نوکروں کا حویلی میں رہنا ٹھیک نہیں تھا۔ اگر وہ سوئے ہوئے بھی ہوتے تو شاید یونہی کسی کی آنکھ کھل جاتی اور کرم بخش کے سپرد کیا ہوا کام ٹھپ ہو کر رہ جاتا۔

لیکن خان بہادر حویلی کو بالکل ہی کرم بخش کے رحم و کرم پر بھی نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ وہ تو یہ چاہتے تھے کہ بذات خود موقع پر موجود رہیں اور دیکھتے رہیں کہ سارا کام پروگرام کے مطابق ٹھیک طور پر ہو رہا ہے اور کرم بخش کوئی گڑبڑ تو نہیں کر رہا۔ اس لحاظ سے انہوں نے بڑا اچھا کیا تھا کہ تمام نوکروں کو شب برات کی چھٹی دے دی تھی۔

پھر بھی ان کے دل کے کسی کونے سے یہ آواز اٹھ رہی تھی کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے، وہ اچھا نہیں کیا۔ اُن کے دل میں ایک انجانا سا ڈر پیدا ہو رہا تھا کہ یہ انہوں نے کیا حرکت کی ہے؟ کرم بخش

کو کیا کرنے کی اجازت دے دی ہے؟

ان کا یہ منصوبہ بڑا ہی پُر خطر تھا۔ لیکن اب تو جو ہونا تھا سو ہو چکا تھا — یا شاید ہونے والا تھا — منصوبہ پُر خطر تھا یا نہیں ایک بات بہر حال خان بہادر کے نزدیک یقینی تھی — کہ صبح کا سورج نکلنے سے پہلے پہلے انہیں اس منحوس تصویر سے نجات حاصل ہو چکی ہو گی۔

انہیں اس بے عزتی کا خیال آیا جو تصویر کے بارے میں ہونیوالی باتوں سے ان کے دل نے محسوس کی تھی۔ انہیں اس تصویر کے بارے میں اپنی بیگم کے تاثرات یاد آئے — اپنے بیٹوں خاص طور پر بڑے بیٹے کی کہی ہوئی باتیں یاد آئیں جن کا انہوں نے کبھی کسی سے ذکر ہی نہیں کیا تھا۔ انہیں یاد آیا کہ اخباروں اور رسالوں نے اس تصویر کے بارے کیسی کیسی باتیں لکھی تھیں اور اس پردے میں خود ان کی ذات پر کس قدر چوٹیں کی تھیں

یہ سب باتیں جب انہیں اوپر تلے یاد آئیں تو ان کے دل نے یہ فیصلہ دے دیا کہ اس تصویر سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کسی بھی سکیم کو پُر خطر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حویلی کو آگ لگا دینے کے منصوبے کے بعد تصویر چوری کرا دینے کا منصوبہ ہی وہ واحد منصوبہ تھا جس پر بڑی آسانی سے عمل ہو سکتا تھا۔ اور پھر جہاں تک بھی غور کیا جائے، یہ منصوبہ حویلی کو آگ لگانے

www.pdfbooksfree.pk

کے منصوبے سے ہر لحاظ سے بہتر اور برتر تھا۔ پھر سب سے بڑی اور اہم بات اور بھی تھی۔ اگر وہ حویلی کو آگ لگا بھی دیتے تو آگ بجھانے والوں میں سے کسی نہ کسی کو اس نامراد تصویر کا خیال آجانا ایک یقینی بات تھی۔ اس طرح یہ امکان بڑا قوی تھا کہ حویلی تو جل کر راکھ کا ڈھیر بن جاتی اور جس تصویر سے نجات حاصل کرنے کی خاطر حویلی کو آگ لگائی گئی تھی۔ وہ بہر قیمت بچ جاتی۔

ان خیالات میں کھوئے ہوئے انہوں نے نظریں اٹھا کر اس منحوس تصویر کی طرف دیکھا۔ خالص سونے کا لمبا چوڑا فریم جس کی آج تک انہوں نے پیمائش کرنے کی بھی تکلیف نہیں کی تھی۔ اندازاً وہ غالباً دو گز لمبا اور ایک گز چوڑا ضرور تھا۔ تصویر اس فریم میں جڑی ہوئی تھی۔ تصویر کے نیچے فریم کے اندر اور سنہری حروف میں یہ عبادت درج تھی۔

"خان بہادر عظمت علی خاں آنریری مجسٹریٹ عظمت آباد کی یہ شاہکار اور نادرِ روزگار تصویر علاقے کے لوگوں کی طرف سے ان کی بیش بہا خدمات کے اعتراف کے طور پر نذرِ خدمت ہے۔

قطعہ

الٰہی! بختِ تو بیدار بادا!
ترا دولت ہمیشہ یار بادا!

گلِ اقبالِ تو دائم شگفتہ!
بہ چشمِ دشمنانت خار بادا!

وہ سوچنے لگے کہ کرم بخش سونے کے اس فریم کو بھی چرائے گا کہ نہیں۔ انہوں نے اس بات کا ذکر اس سے بالکل نہیں کیا تھا۔ اس فریم کی قیمت تو اصل تصویر سے بھی کہیں زیادہ تھی۔ تصویر بنانے کا خرچ تو علاقے کے لوگوں نے برداشت کیا تھا۔ لیکن فریم کی قیمت خان بہادر نے خود اپنی جیب سے ادا کی تھی۔

انہوں نے اپنے دل میں یہی امید رکھی کہ کرم بخش فریم کو نہیں چھیڑے گا اور صرف تصویر چرا لے جانے پر اکتفا کرے گا۔ ویسے بھی تصویر اتنی لمبی چوڑی تھی اور فریم اتنا بھاری کہ اکیلے کرم بخش کے لئے اسے فریم سمیت چرا کر لے جانا خاصا مشکل ثابت ہو سکتا تھا۔ لیکن خان بہادر نے سوچا کہ ممکن ہے وہ اکیلا نہ آئے، اپنے بھتیجے کو بھی ساتھ لائے۔

"یہ میں تجھے آخری بار دیکھ رہا ہوں" خان بہادر نے تصویر سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کل کون جانے تو کہاں ہو گی!"

اس کے بعد انہوں نے کرم بخش سے طے شدہ پروگرام کے مطابق اس کمرے کی باہر کی طرف کھلنے والی کھڑکی کی چٹخنی کھول دی۔ ایک چور کے لئے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ کھڑکیاں اور دروازے بند اور مقفل ہونے پر بھی اندر داخل ہونے

www.pdfbooksfree.pk

کی نہ کوئی صورت پیدا کر سکتا تھا لیکن خان بہادر کرم بخش کے کام کو زیادہ سے زیادہ آسان بنا دینا چاہتے تھے ـــــ یہ سارے پاپڑ وہ اس منحوس تصویر سے نجات حاصل کرنے کی خاطر بیل رہے تھے۔

چٹخنی کھولنے کے بعد انہوں نے روشنی گل کی اور اپنی خوابگاہ میں چلے گئے۔

واردات

کرم بخش اور رحمت گدھا گاڑی میں سامان لئے عظمت آباد میں سیٹھ ارشاد علی کے ہوٹل پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ یہ متفرق قسم کا سامان تھا جو سیٹھ نے اپنے ہوٹل کے لئے قریبی شہر سے منگوایا تھا۔ سیٹھ کے لئے سامان شہر سے لانے کی یہ خدمت کرم بخش اور رحمت کو اکثر انجام دینا پڑتی تھی۔ لیکن یہ خدمت بیگار نہیں تھی۔ سیٹھ کی طرف سے انہیں اس کا معاوضہ مل جاتا تھا اور نفع کے طور پر وہ اس پھیرے کی آڑ میں کہیں نہ کہیں ہاتھ بھی مار لیتے تھے۔

اور آج تو کرم بخش کو ایک بڑا ہی اہم کام انجام دینا تھا ـــــ وہی کام جس کا وعدہ وہ خان بہادر سے کر چکا تھا۔

چچا بھتیجا سامان گدھا گاڑی سے اتار کر ہوٹل میں رکھ چکے تو سیٹھ نے ان کی اجرت دینے کے علاوہ شب برات کے تہوار کی مناسبت سے ان کی تواضع حلوے پوریوں سے کی۔

حلوے پوریوں سے فارغ ہونے کے بعد کرم بخش نے رحمت کو تو گدھا گاڑی سمیت واپس بھیج دیا اور خود سیٹھ ارشاد علی کے پاس بیٹھا ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔

www.pdfbooksfree.pk

جب وہ خان بہادر سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنے کی غرض سے سیٹھ سے رخصت ہوا تو خاصی رات جا چکی تھی۔ شب برات کے پٹاخے، پھلجھڑیاں اور انار چلانے کے بعد لڑکے بالے آرام کر رہے تھے۔ گلیاں اور بازار خاموش ہو چکے تھے —— اس خاموشی کے عالم میں کرم بخش کے قدم آہستہ آہستہ خان بہادر کی حویلی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

* * * *

اپنی خواب گاہ میں پہنچ کر خان بہادر بستر پر دراز تو ہو گئے تھے لیکن انہیں نیند نہیں آئی، وہ برابر جاگ رہے تھے اور ان کے کان کسی آہٹ کے منتظر تھے۔

پھر جس وقت کرم بخش نے آنے کا وعدہ کیا تھا، اس وقت سے بھی کافی پہلے انہیں یوں گمان ہوا جیسے کوئی آہٹ ہوئی ہے پھر تھوڑی دیر بعد انہیں پورا یقین ہو گیا کہ یہ آہٹ حویلی کی حدود میں ہی ہے۔ واقعی اب حویلی کے اندر کچھ کھڑکا ہو رہا تھا جیسے کوئی چیز لڑھکائی یا گھسیٹی جا رہی ہو۔

خان بہادر کے لئے حویلی کے اندر یہ کھڑکا گھبراہٹ کا نہیں، خوشی کا پیغام تھا۔ انہیں یہ سوچ کر اطمینان ہو رہا تھا کہ کرم بخش اپنے وعدے کا پکا ثابت ہوا ہے۔

تاہم انہیں تھوڑی سی حیرانی بھی تھی۔ حیرانی کی وجہ یہ تھی

کہ یہ کھڑکا کبھی حویلی کے کسی حصے میں ہونے لگتا ہے اور کبھی کسی حصے میں۔ کھڑکا تھوڑی دیر ہونے کے بعد پھر بند ہو جاتا تھا اور تھوڑی دیر بند رہنے کے بعد پھر ہونے لگتا تھا۔

خان بہادر اپنے بستر میں ہی لیٹے رہے۔ جی تو ان کا یہی چاہتا تھا کہ وہ خود اپنی آنکھوں سے جا کر دیکھیں کہ کرم بخش کیا کر رہا ہے۔ دیکھتی آنکھوں سے اس تصویر سے نجات حاصل کرتے ہوئے انہیں یقیناً بہت خوشی ہوتی۔ لیکن انہوں نے اپنے آپ کو روکے رکھا۔ مگر جب ان سے بالکل ہی صبر نہ ہو سکا تو وہ بستر سے نکلے اور اٹھ کر خواب گاہ کی وہ کھڑکی کھولی جو باہر کی طرف کھلتی تھی۔ اس کھڑکی میں کھڑے ہو کر انہوں نے باہر کی طرف نگاہ کی۔ انہیں تصویر کا لمبا چوڑا فریم چادروں میں لپٹا ہوا دکھائی دیا جسے چند آدمی تصویر والے کمرے کی کھڑکی سے لے کر باغ کے راستے باہر لئے جا رہے تھے —— کرم بخش شاید اپنے بھتیجے کے علاوہ کچھ اور لوگوں کو بھی ساتھ لے کر آیا تھا اور اب وہ تصویر اور فریم دونوں کو لئے جا رہا تھا۔ خان بہادر چند لمحے ان لوگوں کو جاتے ہوئے دیکھتے رہے، پھر کھڑکی بند کر کے واپس اپنے بستر میں لیٹ گئے۔

ذرا سی دیر بعد حویلی میں کھڑکا پھر ہونے لگا۔ یہ خان بہادر کے لئے کسی قدر حیرانی اور شاید پریشانی کی بات تھی۔ اس لئے

www.pdfbooksfree.pk

کہ تصویر کے چلے جانے کے بعد اس کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ایک انجانے جذبے اور تجسس کے تحت وہ پھر بستر سے نکلے اور تصویر والے کمرے کی طرف بڑھے۔

اپنے جی میں وہ سوچ رہے تھے کہ جب لوگوں کو تصویر کے چوری ہو جانے کا پتا چلے گا تو وہ کیا کہیں گے؟ بیگم اور دوست احباب جب اس چوری کے بارے میں دریافت کریں گے تو ان کا جواب کیا ہو گا؟

آخر انہوں نے یہی سوچ لیا کہ وہ یہی کہہ دیں گے کہ انہیں اس چوری کی کوئی خبر نہیں ہوئی۔

خان بہادر اب تصویر والے کمرے کی طرف جا رہے تھے۔ کھٹکا اب حویلی کے کسی گوشے سے بھی نہیں آ رہا تھا۔ وہ تصویر والے کمرے میں داخل ہوئے اور بتی جلائی۔ روشنی ہوتے ہی اُن کی نگاہ کمرے کے فرش پر پڑی ہوئی کسی چیز پہ پڑی۔ وہ فوراً آگے بڑھے اور جھک کر اس پر ایک نظر ڈالی۔

فریم کے بغیر خالی تصویر فرش پر پڑی تھی۔ اس پہ کوئلے کے ساتھ موٹے موٹے اور ٹیڑھے میڑھے حرفوں میں لکھا ہوا تھا۔

"یہ میرے کسی کام کی نہیں"

خالی تصویر کو اس حال میں فرش پر پڑے دیکھ کر خان بہادر کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ وہ تصویر جسے علاقے کے لوگوں نے

ایک کثیر رقم خرچ کر کے نامور مصوّر جلالی سے بنوایا تھا۔ جسے عقیدت اور محبت کی یادگار کے طور پہ خان بہادر کی نذر کیا تھا، اب ردّی کاغذ کے ایک بے قیمت ٹکڑے کی طرح فرش پہ پڑی تھی — اور اس پہ کوئلے سے لکھے ہوئے موٹے موٹے اور ٹیڑھے میڑھے الفاظ کسی خوفناک ڈائن کی طرح ان کا منہ چڑا رہے تھے۔

"یہ میرے کسی کام کی نہیں!"

"یہ میرے کسی کام کی نہیں!"

"یہ میرے کسی کام کی نہیں!"

یہ الفاظ بار بار انہیں اپنے دماغ پہ ہتھوڑوں کی طرح پڑتے محسوس ہو رہے تھے۔ یک بیک انہیں اپنا سر گھومتا محسوس ہوا۔ وہ اٹھنے ہی لگے تھے کہ دھپ سے کوئی وزنی چیز ان کے سر پہ آ کر لگی — اور وہ وہیں تصویر کے اوپر پہ ڈھیر ہو گئے۔

——— ⁂ ———

www.pdfbooksfree.pk

تحقیقات

اگلے روز صبح ہی صبح خان بہادر کی بیگم اور سارے نوکر حویلی میں واپس آئے تو وہاں انہوں نے وہ کچھ دیکھا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ حویلی ایک لٹے پٹے گھر کا منظر پیش کر رہی تھی۔ تمام کمروں کے دروازے پاٹوں پاٹ کھلے تھے۔ سب الماریوں اور صندوقوں کے قفل ٹوٹے ہوئے تھے نقدی، زیورات، کپڑے، برتن غرضیکہ حویلی کا تمام قیمتی سامان غائب تھا۔ کسی نے جیسے حویلی میں جھاڑو پھیر دی تھی۔

لیکن خان بہادر کے تصویر والے کمرے کا منظر اس سے بھی کہیں زیادہ خوفناک تھا۔ کمرے کے فرش پر خان بہادر کی یادگار تصویر سنہری فریم کے بغیر پڑی تھی اور اس تصویر پہ خان بہادر کی لاش خون میں لت پت پڑی تھی — اور — اور — اس لاش کا سر غائب تھا۔

اور تصویر والے کمرے سے ملحقہ باغ کی بیرونی دیوار کے نیچے کرم بخش بے ہوش پڑا تھا — بے ہوش اور زخمی!

اس ہولناک واقعہ کی اطلاع جس شخص نے پولیس تک

پہنچائی، وہ خان بہادر کا چوکیدار شیر خاں تھا۔ پولیس کی بھاری تعداد فوراً ہی جائے واردات پہ پہنچ گئی

خان بہادر کے دردناک قتل کی اطلاع جنگل کی آگ کی طرح سارے علاقے میں پھیل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہجوم حویلی کے گرد جمع ہو گیا لیکن پولیس کے سپاہی کسی کو اندر جانے نہیں دیتے تھے۔

اندر ایک پولیس انسپکٹر ایک ایک جگہ، ایک ایک چیز کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ قاتل باغ کی طرف سے آئے تھے اور تصویر والے کمرے کی کھڑکی پھلانگ کر اندر داخل ہوئے تھے۔ یہ بات تو بالکل واضح تھی۔ انہوں نے خان بہادر کو بڑی بے دردی کے ساتھ مار ڈالا تھا۔ حویلی کا تمام قیمتی سامان اڑا لیا تھا — اور جاتے ہوئے وہ خان بہادر کا سر بھی کاٹ لے گئے تھے۔

قاتلوں نے خان بہادر کا سر کیوں کاٹا؟

اس کی ظاہری طور پر کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ کسی کی سمجھ میں یہ مسئلہ نہیں آ رہا تھا کہ قاتلوں نے خان بہادر کی حویلی کا تمام سامان لوٹ لینے کے بعد ان کا سر کاٹ لینا کیوں ضروری خیال کیا!

پولیس کو آس تھی کہ خان بہادر کی حویلی کے کسی نہ کسی کمرے سے قاتلوں کا کوئی نہ کوئی سراغ مل جائے گا لیکن اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ تصویر والے کمرے میں نہ قاتلوں کے ہاتھوں کے

www.pdfbooksfree.pk

نشان تھے نہ پیروں کے۔ نہ کسی قاتل کی ٹوپی تھی نہ کسی کی پگڑی نہ کوئی خنجر تھا اور نہ کوئی اور ہتھیار۔ پوری حویلی میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس سے قاتلوں کا کچھ اتا پتا مل سکتا۔

کرم بخش کا حویلی کے باغ کے بیرونی دیوار کے نیچے زخمی اور بے ہوش حالت میں پایا جانا پولیس کی نظروں میں خاصا معنی خیز تھا۔ پولیس کے خیال میں صرف اسی سے اس واردات کے سلسلے میں کچھ معلوم ہونے کی توقع ہو سکتی تھی۔ اس لئے پولیس نے موقع پر پہنچتے ہی اسے اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ ہسپتال میں اس کی ضروری مرہم پٹی کر دی گئی تھی اور اب پولیس کو انتظار تھا تو صرف اس بات کا کہ وہ ہوش میں آئے تو اس کا بیان قلمبند کیا جائے۔

شیر خاں چوکیدار نے اس واردات کی رپٹ درج کراتے ہوئے بھی کرم بخش اور اس کے بھتیجے رحمت پر شک ظاہر کیا تھا۔ پولیس کو بھی معلوم تھا کہ چچا بھتیجا دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ اس لئے دو سپاہی بجلی کی سی تیزی سے دولت پور گئے تھے اور رحمت کو گرفتار کر لائے تھے۔ اب بھتیجا حوالات میں تھا اور چچا ہسپتال میں۔

لیکن ہوش میں آنے کے بعد کرم بخش نے جو بیان دیا، وہ پولیس کی توقع سے بالکل مختلف تھا۔ کرم بخش نے بتایا۔ کہ وہ

سیٹھ ارشاد علی کا کچھ سامان شہر سے لایا تھا۔ سامان ہوٹل میں رکھنے کے بعد اس نے رحمت کو گدھا گاڑی کے ساتھ واپس بھیج دیا تھا اور خود سیٹھ کے پاس بیٹھا رات گئے تک باتیں کرتا رہا تھا پھر جب وہ ہوٹل سے نکل کر خان بہادر کی حویلی کے پاس سے گزر رہا تھا تو کوئی بھاری چیز دھپ سے آ کر اس کے سر میں لگی تھی اور وہ بے ہوش ہو کر گر گیا تھا۔ گرنے سے پہلے اور گرتے ہوئے اس نے نہ تو کسی شخص کو دیکھا تھا اور نہ کوئی آہٹ ہی سنی تھی۔

رحمت کے بیان سے بھی کرم بخش کے بیان کی تصدیق ہوتی تھی۔ سیٹھ ارشاد علی کا بیان بھی پولیس نے لیا تھا اور اس نے بھی کرم بخش کے بیان کی تائید کرتے ہوئے یہ بیان دیا تھا کہ کرم بخش اس کے پاس بیٹھا رات کے گیارہ بجے تک باتیں کرتا رہا تھا۔

کرم بخش کے اس بیان سے قتل کا یا قاتلوں کا کوئی سراغ نہیں ملتا تھا۔ پھر کرم بخش اور رحمت پر شبہ خود شیر خاں چوکیدار نے رپٹ لکھاتے وقت ظاہر کیا تھا۔ پولیس کو یہ بھی معلوم تھا کہ کرم بخش اور رحمت دونوں عادی چور ہیں۔ یہ بات بھی پولیس کے علم میں تھی کہ صرف چند روز پہلے ہی کرم بخش مرغی چراتے ہوئے پکڑا گیا تھا لیکن خان بہادر نے اسے بری کر دیا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

ان تمام باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے پولیس نے یہی رائے قائم کی تھی کہ کرم بخش چوروں اور ڈاکوؤں کے کسی گروہ کا سرغنہ یا رکن ہے ۔۔۔ وہ اپنے گروہ کے ساتھ خان بہادر کی حویلی میں داخل ہوا۔ اس گروہ نے حویلی کے تمام سامان کا صفایا کیا، شور سے خان بہادر کی آنکھ کھلی تو انہوں نے اٹھ کر مزاحمت کی۔ ان لوگوں نے انہیں قتل کر ڈالا ۔۔۔ پھر جاتے ہوئے وہ پولیس اور عام لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور انہیں بے وقوف بنانے کے لئے کرم بخش کو خود ہی زخمی کر کے حویلی کے باغ کی بیرونی دیوار کے نیچے ڈال گئے۔

پولیس نے خان بہادر کے قتل کے بارے میں یہ رائے قائم تو کر لی تھی اور اب اس کی کوشش یہی تھی کہ کرم بخش اور رحمت اپنے باقی ساتھیوں کا اتا پتا بتا دیں اور اقبالِ جرم کر لیں۔ لیکن ایک سوال اب بھی اپنی جگہ قائم تھا۔

"قاتلوں نے خان بہادر کا سر کاٹ کر لے جانا کیوں ضروری سمجھا؟"

اور پولیس کے کسی اہلکار کے پاس اس سوال کا جواب نہ تھا۔

خان بہادر کی بغیر سر کی لاش پوسٹ مارٹم کے لئے قریبی شہر کے بڑے ہسپتال میں بھجوا دی گئی تھی کیونکہ عظمت پور کے ہسپتال

میں اس کا انتظام نہیں تھا اور اب مزید کارروائی کرنے سے پہلے پولیس اس رپورٹ کا انتظار کر رہی تھی۔

خان بہادر کا قتل کسی چھوٹے موٹے اور بے حیثیت آدمی کا قتل نہیں تھا۔ اس لئے حکومت نے فوری کارروائی کرتے ہوئے اس کا کھوج لگانے کے لئے ایک تحقیقاتی کمیٹی بنا دی تھی ۔ کرم بخش اور رحمت کے سڑک والے اجنبی مہمان سید باقر حسین شاہ اس کمیٹی کے صدر تھے۔ ان کے علاوہ اس کمیٹی کے چار ممبر اور تھے جو سب سرکاری افسر تھے۔

کمیٹی کے ارکان اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ دونوں عظمت پور میں ایک ساتھ پہنچے۔ ڈاکٹر نے خان بہادر کی لاش کا تفصیلی معائنہ کرنے کے بعد اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ ان کی موت رات کے دس اور گیارہ بجے کے درمیان واقع ہوئی ہے۔

اور کرم بخش گیارہ بجے تک سیٹھ ارشاد علی کے پاس بیٹھا رہا تھا۔ اس لحاظ سے اس کے متعلق پولیس کا شک خود بخود ریت کی دیوار کی طرح بیٹھ جاتا تھا ۔۔۔ لیکن حویلی کے باغ کی بیرونی دیوار کے نیچے اس کا بیہوش اور زخمی پڑے پایا جانا ایک ایسی قوی شہادت تھی جسے کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

بہر حال اب اس قتل کی تحقیقات کمیٹی کے ہاتھ میں تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

کمیٹی کے صدر سید باقر حسین شاہ نے موقع کا معائنہ کرنے کے بعد سب سے پہلے شیر خاں چوکیدار کا بیان لیا۔ اس نے بتایا کہ خان بہادر شب برات کی صبح کو اپنے بڑے بیٹے کے ہاں جاتے ہوئے جن دو نوکروں کو حویلی میں چھوڑ گئے تھے۔ ان میں سے ایک وہ خود تھا۔ پھر شام کو خان بہادر نے واپس آکر ان دونوں کو بھی چھٹی دے دی تھی۔ وہ اپنے گھر چلا گیا تھا اور اگلی صبح تقریباً اسی وقت حویلی میں واپس آیا تھا۔ جب دوسرے نوکر آئے تھے اور وہ خان بہادر کے قتل کا علم ہوتے ہی رپٹ درج کرانے چلا گیا تھا۔

سید باقر حسین شاہ صاحب نے اس کا بیان سُننے کے بعد پوچھا۔

"تم نے رپٹ میں کرم بخش اور رحمت پر اس واردات کا شبہ کیا ہے۔ اس شبہ کی کیا بنیاد ہے؟"

"وہ دونوں عادی چور ہیں جناب!" شیر خاں نے کہا "کرم بخش کا باغ کی بیرونی دیوار کے نیچے پایا جانا ہی بتاتا ہے کہ وہ اس واردات میں شریک ہے۔"

سید باقر حسین شاہ نے اس سے مزید کچھ نہیں پوچھا۔ شیر خاں کے بعد انہوں نے حویلی کے دوسرے نوکروں اور خان بہادر کی بیگم کے بیان لئے۔ حویلی کے آس پاس کے مکانوں میں رہنے والے

لوگوں کے بیان لئے۔ ہوٹل کے سیٹھ ارشاد علی کا بیان لیا۔ کسی کے بیان سے بھی قتل یا قاتلوں کا کچھ سراغ نہیں ملتا تھا۔

سب سے آخر میں انہوں نے کرم بخش اور رحمت کو طلب کیا۔ وہ سید باقر حسین شاہ کو دیکھ کر بڑے حیران ہوئے لیکن یہ حیرانی کا نہیں، ادب کا مقام تھا۔ سڑک کے کنارے وہ دو بے فکرے شخص تھے اور سید باقر حسین شاہ ان کے اجنبی مہمان ـــــ لیکن اب صورتِ حال مختلف تھی۔ کرم بخش اور رحمت پر خان بہادر کے قتل کا الزام تھا اور سید باقر حسین شاہ اس قتل کی تحقیقات کرنے آئے تھے۔

کرم بخش اور رحمت نے وہی بیان پھر دہرا دیا جو وہ اس سے پہلے پولیس کو دے چکے تھے۔ یہ بیان سید باقر حسین شاہ پولیس کی فائل میں پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے کہا۔

"سنو کرم بخش! ایک بار تو ہم نے تمہارے جرم پر پردہ ڈال دیا تھا لیکن اب نہیں۔ تم چور سے ترقی کر کے قاتل بن گئے ہو۔ تمہیں پتا نہیں کہ بکرے کی ماں آخر کب تک خیر منا سکتی ہے!"

"جناب میں نے قتل نہیں کیا" کرم بخش ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا "میں تو گیارہ بجے تک سیٹھ ارشاد علی کے پاس بیٹھا رہا تھا جبکہ....."

"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق خان بہادر کا قتل

www.pdfbooksfree.pk

رات کے دس اور گیارہ بجے کے درمیان ہوا ہے" سید باقر حسین شاہ نے کہا" یہ بات یقیناً تمہارے حق میں جاتی ہے، لیکن ایک بات اور ہے"۔

"وہ کیا جناب؟"

"خان بہادر کی تصویر پر موٹے موٹے حروف میں کوئلے سے لکھا ہے کہ یہ میرے کسی کام نہیں"۔

"میں تو ان پڑھ ہوں جناب!" کرم بخش نے کہا" میں بھی اور رحمت بھی"۔

"ٹھیک ہے!" سید باقر حسین شاہ نے کہا" لیکن مجھے بتایا گیا ہے کہ جس روز تمہیں خان بہادر نے مرغی چرانے کے الزام سے بری کیا تھا، اس روز انہوں نے تمہیں اپنے ریٹائرنگ روم میں بلایا تھا۔ کیا یہ درست ہے؟"

"جی جناب!" کرم بخش نے کہا۔

"وہاں تمہارے اور ان کے درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں؟" سید باقر حسین شاہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں جناب!" کرم بخش گڑبڑا سا گیا" کوئی خاص بات نہیں جناب۔ بس انہوں نے مجھے کچھ نصیحتیں کی تھیں"۔

"دیکھو!" سید باقر حسین شاہ قدرے سختی سے بولے" تمہاری اُن کی یہ ملاقات اُن کے قتل سے محض چند دن پہلے کا واقعہ ہے۔

اگر تم قاتل نہیں تو تمہیں وہ تمام گفتگو صاف صاف سنا دینی چاہیے جو تمہارے اور خان بہادر کے درمیان ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے ان کے قتل کا کوئی سراغ مل جائے"۔

کرم بخش پہلے تو کچھ جھجکا، پھر اس نے وہ تمام گفتگو دہرا دی جو اس کے اور خان بہادر کے درمیان تصویر کو چرانے کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ سید باقر حسین شاہ نے انتہائی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تو میں ایک نئی بات سن رہا ہوں۔ مجھے آج تک علم نہیں تھا کہ وہ تصویر خان بہادر کو پسند نہیں تھی اور وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے"۔

"میں کچھ عرض کروں جناب؟" رحمت نے کہا

"کہو کیا کہتے ہو؟"

"جناب! چاچا نے یہ بات پہلے مجھے بھی نہیں بتائی جو آپ کو اب بتائی ہے۔ انہوں نے مجھے خالی گدھا گاڑی دے کر واپس بھیج دیا تھا اور خود رات کے گیارہ بجے سیٹھ صاحب کے پاس بیٹھے رہے تھے اور گیارہ بجے کے بعد ہوٹل سے خان بہادر کی حویلی کی طرف روانہ ہوئے تھے تاکہ خان بہادر سے کیا ہوا وعدہ پورا کر سکیں۔ لیکن وہاں پہلے ہی چور اپنا کام کر چکے تھے۔ انہیں زخمی اور بیہوش بھی انہوں نے ہی کیا ہوگا"۔

www.pdfbooksfree.pk

"لیکن تمہارے چاچا نے کسی کو دیکھا تو ہے نہیں" سید باقر حسین شاہ بولے "اور نہ کوئی آہٹ ہی سنی۔"

"اب میں کیا کہوں جناب!" رحمت نے کہا "میں تو صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میرا خیال یہ ہے کہ چاچا اور خان بہادر کے درمیان جو پروگرام طے ہوا تھا، وہ کسی اور کو معلوم ہو گیا ہو گا — ہو سکتا ہے کسی نے اُن کی باتیں چھپ کر سُن لی ہوں۔"

"بڑی دور کی سوجھی ہے تمہیں!" سید باقر حسین شاہ نے جیسے طنز کرتے ہوئے کہا "آگے کہو کیا کہتے ہو!"

"اب آگے کیا کہوں جناب!" رحمت نے کہا "میرے خیال میں تو بات سیدھی اور صاف ہے۔ وہ شخص اپنے ساتھیوں کو لے کر حویلی میں پہنچ گیا ہو گا اور میرے چاچا کے پہنچنے سے پہلے ہی انہوں نے حویلی کا صفایا کر دیا ہو گا۔"

سید باقر حسین شاہ رحمت کی یہ باتیں سن کر کچھ دیر خاموش رہے۔ جیسے کچھ سوچ رہے ہوں۔ پھر کہنے لگے۔

"تم واقعی بہت ذہین ہو۔ اپنے چاچا کی صفائی بڑے لاجواب طریقے سے پیش کی ہے تم نے۔ لیکن ایک بات اب صاف نہیں ہوتی۔"

"وہ کیا جناب؟"

"وہ یہ کہ جب چوروں نے بڑے آرام سے حویلی کا سارا قیمتی

سامان سمیٹ لیا تھا تو انہوں نے خان بہادر کو قتل کیوں کیا اور قتل کیا تو ان کا سر کاٹ کر کیوں لے گئے؟"

"میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں جناب!" رحمت نے کہا "یہ معمّہ تو وہ چور ہی حل کر سکتے ہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں کرم بخش؟"

"میرا خیال تو کچھ یوں ہے جناب!" کرم بخش نے کہا "کسی طرح خان بہادر کو شک ہو گیا ہو گا کہ حویلی میں کرم بخش نہیں، کوئی اور شخص ہے۔ وہ دیکھنے کے لئے اٹھے ہوں گے اور چوروں نے انہیں افشائے راز کے خوف سے مار ڈالا ہو گا۔"

"لیکن وہ ان کا سر کاٹ کر کیوں لے گئے؟"

"میں اس بارے میں یقین سے کیا کہہ سکتا ہوں جناب!" کرم بخش بولا "ویسے اس علاقے میں ایک بات مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی مال دولت کسی قبر میں دبا دے تو اس مردے کی رُوح برابر اس مال دولت کی حفاظت کرتی رہتی ہے۔"

"خوب! خوب!" سید باقر حسین شاہ نے کہا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ چوروں نے خان بہادر کا سر صرف اس لئے کاٹا ہو گا کہ اسے لوٹے ہوئے مال کے ساتھ کہیں دبا دیں اور پھر جب معاملہ دب دبا جائے تو مال نکال لیں۔ خیر یہ تو ایک قیاس ہے لیکن مجھے حیرانی اس بات پر ہے کہ اتنی بڑی واردات ہوئی

www.pdfbooksfree.pk

اور قاتلوں کو کسی نے دیکھا تک نہیں۔"

"میں کچھ عرض کروں جناب!" رحمت نے کہا۔

"کہو کیا کہتے ہو!"

"بات یہ ہے جناب!" رحمت نے کہا "جب چاچا نے مجھے ہوٹل سے خالی گدھا گاڑی دے کر واپس بھیجا تو خان بہادر کی حویلی کے پاس سے گزرتے ہوئے میں نے حویلی کے باغ میں چار پانچ آدمیوں کے قدموں کی چاپ سنی تھی۔ اس وقت تو میں نے کوئی خاص خیال نہیں کیا تھا لیکن اب سوچتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ وہی لوگ جنہوں نے یہ واردات کی۔ اور جناب! ان میں سے ایک آدمی کی چاپ کو تو میں واضح طور پر پہچانتا ہوں۔"

"کون ہے وہ؟"

"وہی جناب! جس نے خان بہادر کے قتل کی رپٹ درج کرائی تھی۔"

"شیر خاں!" سید باقر حسین شاہ نے حیران ہو کر کہا "خان بہادر کا چوکیدار!"

"جی ہاں" رحمت نے کہا "میں نے باغ میں اس کے قدموں کی چاپ بڑے صاف طور سے سنی تھی۔"

"یہ تو تم آسمان میں تھگلی لگانے کی کوشش کر رہے ہو رحمت!" سید باقر حسین شاہ نے سنجیدگی سے کہا "یہ خیال مت کرنا کہ اس روز

سڑک کے کنارے چونکہ شیر خاں میرے ساتھ بُری طرح پیش آیا تھا، اس لئے میں اس کے بارے میں تمہاری ہر انٹ سنٹ بات مان لوں گا۔ تم شاید شیر خاں پر اس لئے الزام لگانے کی کوشش کر رہے ہو۔ اس نے رپٹ میں تم دونوں پر خان بہادر کے قتل کا شبہ ظاہر کیا ہے۔"

"ہم کسی پر الزام نہیں لگاتے جناب!" کرم بخش نے کہا۔ آپ ہمارے مہربان ہیں اور افسر بھی۔ ہم نے جو کچھ ہمیں معلوم تھا، سچ سچ آپ کو بتا دیا ہے۔ یہاں کی پولیس اپنا سارا زور لگا لیتی تو بھی ہم اس منصوبے کا راز فاش نہ کرتے جو میرے اور خان بہادر کے درمیان تصویر کی چوری کے سلسلے میں طے پایا تھا۔ ہم چور سہی لیکن احسان فراموش نہیں ہیں۔"

"اچھی بات ہے!" سید باقر حسین شاہ نے کہا "میں ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھوں گا جو تم نے مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے بیان کی ہیں لیکن فی الحال تمہیں بھی یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ تم پر خان بہادر کے قتل کا الزام ہے اور جب تک کوئی اور شخص ملزم ثابت نہیں ہوتا، تم اس الزام میں زیر حراست رہو گے خواہ تم سیٹھ ارشاد علی کے ہوٹل میں گیارہ بجے رات تک بیٹھے رہے ہو اور خواہ تمہارے بھتیجے نے خان بہادر کی حویلی کے باغ کے پاس سے گزرتے ہوئے

www.pdfbooksfree.pk

چار پانچ آدمیوں کے قدموں کی چاپ سنی اور وہ ان میں سے ایک کے قدموں کی چاپ کو واضح طور پر پہچانتا ہو — سمجھے!"

"جی!" رحمت اور کرم بخش دونوں نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

شاید انہیں یہ توقع تھی کہ سید باقر حسین شاہ ان کا بیان سنتے ہی فوراً ان کی رہائی کا حکم صادر کر دیں گے — لیکن یہ مچھلی یا مرغی کی چوری کا معاملہ نہیں تھا۔ خان بہادر کے قتل کا معمّہ جس کے حل ہونے تک وہ پولیس کی قید سے نہیں نکل سکتے تھے — اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ معمّہ ان کے حسب منشا حل ہو جائے گا — پولیس کی تحقیقات کوئی بھی رُخ اختیار کر سکتی تھی۔!

سَر کٹا بھُوت

عظمت آباد کا قصبہ دو آبادیوں پر مشتمل تھا۔ پرانی آبادی اور نئی آبادی۔ پرانی آبادی اگرچہ جلال پور کے نام سے بہت پہلے سے آباد تھی اور عظمت آباد کی نئی آبادی خان بہادر کے نام پر آباد ہوئی تھی، لیکن اب دونوں آبادیوں کا مجموعی نام عظمت آباد تھا اور جلال پور ایک طرح عظمت آباد کا محلہ شمار ہوتا تھا۔

پرانی آبادی اور نئی آبادی کے درمیان ایک بہت بڑا قبرستان تھا جس میں ببول، کیکر اور جنڈ کے بے شمار درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ یہ قبرستان دور سے ایک جنگل نظر آتا تھا۔ اور دیکھا جائے تو جنگل سے کم بھی نہیں تھا۔ دن کے اجالے میں بھی یہاں گھپ اندھیرا چھایا رہتا تھا اور شام کے بعد تو کسی کو اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اس میں گزرنے کا نام بھی لے سکے۔ اس قبرستان میں کئی بار قتل کی وارداتیں ہو چکی تھیں اور بعض لوگوں کو تو یہ بھی سنا گیا تھا کہ ان مقتولوں کی روحیں رات کے وقت اس جنگل میں چیخیں مارتی پھرتی ہیں۔

www.pdfbooksfree.pk

سید باقر حسین شاہ نے جب عظمت آباد آکر خان بہادر کے قتل کی تحقیقات شروع کی تو یہ قبرستان فوراً ہی ان کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ کرم بخش نے علاقے کی جس روایت کا ذکر کیا تھا۔ اس کی روشنی میں اس قبرستان کی اہمیت اور بڑھ جاتی تھی۔ سید باقر حسین شاہ کا خیال تھا کہ جو قاتل اتنی دلیری کے ساتھ قتل کر کے خان بہادر کے مال دولت کے ساتھ ان کا سر بھی کاٹ کر لے جا سکتے ہیں، انہیں یقیناً اس قبرستان سے کوئی ڈر محسوس نہیں ہوتا ہوگا۔ انہیں یقین تھا کہ وہ قاتل ضرور قبرستان میں آئے ہوں گے اور حویلی سے لوٹے ہوئے مال دولت کے ساتھ ہی خان بہادر کے سر کو کہیں دبا گئے ہوں گے، تاکہ ان کی رُوح اس مال و دولت کی اس وقت تک حفاظت کرتی رہے جب تک وہ آکر اسے نکال نہ لیں۔

سید باقر حسین شاہ نے بڑی کوشش کی، قبرستان کے کئی چکر لگائے۔ انہیں یقین تھا کہ خان بہادر کی دولت مع ان کے سر کے قبرستان کی کسی قبر میں ہی دفن ہے لیکن جب تک انہیں کسی قبر کے متعلق پورا پورا یقین نہ ہوتا، وہ اسے کھدوانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔

پھر چند روز بعد ایک بڑا ہی عجیب واقعہ ہوا۔

رات کے کوئی گیارہ بجے تھے۔ باجے گاجے کے ساتھ ایک

برات پرانی آبادی سے نئی آبادی کی طرف جا رہی تھی۔ گیس کے بڑے بڑے ہنڈے اٹھائے کوئی پندرہ بیس مزدور برات کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اس لئے قبرستان کے قریب سے گزرتے ہوئے کسی کے دل میں کوئی خوف نہیں تھا۔ سارے براتی خوشی سے جھومتے ہوئے جا رہے تھے کہ اچانک قبرستان کی ایک گھنی جھاڑی کی اوٹ سے عجیب و غریب شکل نکل کر ان کے سامنے آگئی۔

دیکھنے والوں نے دیکھا اور ایک دم پہچان لیا۔

یہ خان بہادر کا بھوت تھا — اس کا سر غائب تھا اور وہ اپنا سر واپس طلب کر رہا تھا۔

"ہائے میرا سر! ہائے میرا سر واپس دے دو! میرا سر واپس کر دو!"

براتیوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ چیختے چلاتے اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ بھوت کچھ دیر سڑک پر کھڑا فریاد کرتا رہا اور پھر قبرستان میں غائب ہو گیا۔

اگلی رات پھر اسی وقت لوگوں نے خان بہادر کے بھوت کو دیکھا۔ وہ اپنا سر واپس طلب کر رہا تھا — وہ دہائی دیتا، فریاد کرتا اور اپنا سر واپس مانگتا خان بہادر کی حویلی تک آیا۔ لوگ ڈر کے مارے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ بازار کی دکانیں

www.pdfbooksfree.pk

بند ہونے لگیں اور لوگوں نے اپنے مکانوں کے دروازے اور کھڑکیاں اچھی طرح بند کر لیں کہ کہیں خان بہادر کا بھوت ان کے گھروں میں نہ آ گھسے۔ ڈیوٹی پر جو سپاہی موجود تھا، وہ پہلے تو جی کڑا کر کے کھڑا رہا لیکن پھر ڈر کر بھاگ گیا۔ عام اندازہ یہ تھا کہ اس رات خان بہادر کے بھوت کو چار پانچ سو آدمیوں نے دیکھا ہو گا۔

اگلے چند دنوں تک لوگوں نے اس بھوت کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، لیکن کتنے ہی لوگوں کا بیان تھا کہ ہم نے خود اپنے کانوں سے قبرستان کی جھاڑیوں کے درمیان اس کے رونے اور کراہنے کی آواز سنی ہے۔ وہ رو رو کر اپنا سر واپس مانگ رہا تھا۔

خان بہادر کے بھوت کا نظر آنا عظمت آباد والوں کے لئے ایک نئی بات تھی۔ اب تک لوگ بھوتوں کی کہانیاں ہی سنتے آئے تھے لیکن کسی نے کوئی بھوت اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا —— لیکن اب ایک بھوت، بلکہ سر کٹا بھوت بڑی باقاعدگی سے ان کے درمیان نمودار ہونے لگا تھا۔

عام طور پر اس بھوت کے دکھائی دینے یا اس کی آواز سنائی دینے کا عمل رات کے گیارہ بجے کے قریب پیش آتا تھا۔ اس لئے پولیس نے عام منادی کے ذریعے لوگوں کو ہدایت کی

کہ اگر وہ اس خاص وقت پر قبرستان سے دُور رہیں تو انہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔

بھلا پولیس کی اس ہدایت پر اعتبار کون کرتا!

لوگوں نے ڈر کے مارے قبرستان کی طرف سے گزرنا ہی چھوڑ دیا۔ رات تو پھر رات ہے، اب دن میں بھی کوئی قبرستان کے پاس سے نہیں گزرتا تھا —— گزرتا بھی تھا تو گویا جان ہتھیلی پر رکھ کر۔ لوگ کہتے تھے کہ پولیس کا حکم خان بہادر کے بھوت پر کیسے چل سکتا ہے کہ وہ عین رات کے گیارہ بجے ظاہر ہو اور اس سے پہلے اور بعد غائب رہے!

کئی دن گزر گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خان بہادر کے بھوت نے پولیس کے حکم کی لاج رکھ لی ہے۔ اب تک وہ ایک بار بھی رات کے گیارہ بجے سے پہلے ظاہر نہیں ہوا تھا۔

خان بہادر کے قتل کے کوئی دو ہفتے بعد کی بات ہے۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ ہوٹل والے سیٹھ ارشاد علی اپنے ایک ملازم کے ساتھ نئی آبادی سے پرانی آبادی کی طرف جا رہے تھے۔ انہیں شاید کوئی بہت ہی ضروری کام تھا اور وہ تھے بھی بہت جلدی میں۔ یہ بات نہ ہوتی تو وہ کبھی رات کے وقت قبرستان کے پاس سے گزرنے کا خطرہ مول نہ لیتے۔ گو انہیں یہ تو معلوم تھا کہ اب تک خان بہادر کا بھوت ایک بار بھی گیارہ بجے

www.pdfbooksfree.pk

سے پہلے ظاہر نہیں ہوا۔ اس لئے انہیں کچھ تسلی سی تھی — لیکن وہ دل میں ڈر بھی رہے تھے کہ بھوت کا کیا اعتبار! کون جانے خان بہادر کا بھوت کسی جھاڑی سے اچانک نکل کر اُن کے سامنے ہی آن کھڑا ہو۔ بھلا کہیں بھوت بھی وقت کے پابند ہو سکتے ہیں۔

پھر جب وہ قبرستان کے پاس سے گزر رہے تھے تو یکایک انہیں بھوت کے رونے اور فریاد کرنے کی آواز سنائی دی۔ وہ رو رو کر اپنا سر واپس مانگ رہا تھا۔

سیٹھ ارشاد علی اور ان کے ملازم کے قدم وہیں گڑ گئے اور وہ سوچنے لگے کہ انہوں نے خان بہادر کے بھوت کی آواز تو نو بجے ہی سن لی ہے — اب دیکھیں یہ بھوت ظاہر بھی ہوتا ہے یا نہیں!

پھر اچانک بھوت کا رونا اور فریاد کرنا موقوف ہو گیا اور انہوں نے دیکھا کہ خان بہادر کا بھوت رونے اور فریاد کرنے کی جگہ چپ چاپ قدم اٹھاتا ان کی طرف بڑھا آ رہا ہے۔ قریب تھا کہ خوف سے ان کی چیخیں نکل جائیں لیکن انہوں نے دیکھا کہ یہ بھوت اکیلا نہیں بلکہ اس کے پیچھے پیچھے پانچ آدمی اور چلے آ رہے ہیں۔

ایک دم پولیس کی سیٹی کی آواز آئی۔ سیٹھ ارشاد علی اور

ان کا ملازم چوکس ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی ایک گرج دار آواز فضا میں گونجی۔

"خبردار! جو بھاگنے کی کوشش کی تو!"

یہ آواز سید باقر حسین شاہ کی تھی۔

سیٹھ ارشاد علی اور ان کا ملازم یوں کھڑے رہے جیسے کسی نے انہیں جادو کر کے پتھر بنا دیا ہو۔ بھاگنا تو ایک طرف رہا، اپنی جگہ سے ہلنے کی سکت بھی ان میں نہیں رہی تھی۔ حالانکہ سید باقر حسین شاہ کا حکم ان کے لئے نہیں تھا۔

جب وہ سارے سڑک کے کنارے روشنی میں آئے تو سیٹھ ارشاد علی اور ان کا ملازم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ خان بہادر کا بھوت اصل میں کرم بخش کا بھتیجا رحمت تھا جس نے بغیر سر کے بھوت کا سوانگ بھر رکھا تھا اور سید باقر حسین شاہ چار آدمیوں کو ہتھکڑیاں لگائے اب پولیس سٹیشن کی طرف لئے جا رہے تھے۔

یہ چاروں آدمی خان بہادر کے قاتل تھے۔ ان میں سے ایک نے ایک پوٹلی تھام رکھی تھی جس میں خان بہادر کا سر تھا۔ دوسروں کے سروں پر ٹین کے ٹرنک تھے جن میں وہ تمام مال و دولت اور قیمتی سامان تھا جو انہوں نے خان بہادر کی حویلی سے لوٹا تھا۔

سید باقر حسین شاہ اپنے منصوبے کے مطابق بے حد کامیاب

www.pdfbooksfree.pk

رہے تھے۔ خان بہادر کے بھوت کا کھیل حقیقت میں ان کے اپنے دماغ کی اختراع تھی۔ کرم بخش کے بیان سے انہیں اس علاقے کے توہمات کا علم ہوگیا تھا۔ ان توہمات کے بارے میں تفصیلی معلومات انہوں نے کچھ دوسرے ذرائع سے حاصل کر لی تھیں۔ انہی معلومات کی روشنی میں انہوں نے یہ کھیل کھیلا تھا —— اور اس کھیل میں رحمت نے ان کی توقع سے کہیں بڑھ کے کامیابی کے ساتھ اپنا کردار ادا کیا تھا۔

سید باقر حسین شاہ رحمت کو ساتھ لے کر قبرستان جا پہنچے اور وہاں چھپ کر انتظار کرنے کہ کب قاتل آئیں اور قبرستان میں دبائی ہوئی دولت کو نکالیں۔ انہیں پورا یقین تھا کہ قاتل جب بھی آئے، گیارہ بجے سے پہلے پہلے آئیں گے —— اس لئے کہ پولیس کی طرف سے مشہور کر دیا گیا تھا کہ خان بہادر کا بھوت صرف گیارہ بجے ظاہر ہوتا ہے، اس سے پہلے نہیں۔

رات کے وقت قبرستان کی گھنی جھاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھ کر قاتلوں کا انتظار کرنا بڑا صبر آزما کام تھا لیکن قدرت نے سید باقر حسین شاہ کی امداد کی تھی اور وہ قاتلوں کو قبرستان میں عین اس وقت گرفتار کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے جبکہ وہ اپنی دبائی ہوئی دولت وہاں سے نکال رہے تھے —— اور اس دولت کے ساتھ خان بہادر کا سر بھی تھا۔

اور جب سید باقر حسین شاہ ان چاروں قاتلوں کو ہتھکڑیاں لگائے پولیس سٹیشن کی طرف لے جا رہے تھے تو وہ اچانک شیر خاں کا نام لے کر گالیاں نکالنے لگے۔ ان کی زبان سے شیر خاں کا نام سن کر سید باقر حسین شاہ چونکے اور کہنے لگے۔

"یہ تم شیر خاں کو گالیاں دے رہے ہو؟"

اور وہ جیسے پھٹ پڑے۔

"وہ حرام زادہ بھی ہمارے ساتھ تھا جناب! بلکہ یہ ساری سکیم ہی اس کی تھی۔ اس نے ہمیشہ یہ مشورہ دیا تھا کہ ہم خان بہادر کا سر کاٹ کر دولت کے ساتھ دبا دیں تاکہ اس کی روح ہماری واپسی تک اس مال و دولت کی حفاظت کرتی رہے۔"

"اچھا تو یہ بات ہے!" سید باقر حسین شاہ بولے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے رحمت کی طرف دیکھا اور کہنے لگے۔

"تمہاری بات ٹھیک ثابت ہوئی ہے بیٹا!"

فخر کے احساس سے رحمت کا سینہ تن گیا۔ اس نے نہ صرف اپنے آپ کو اور اپنے چاچا کو بے قصور ثابت کر دیا تھا بلکہ اصل قاتلوں کو بھی گرفتار کرا دیا تھا اور اب یہ بھی ثابت ہو گیا تھا کہ شیر خاں چوکیدار ان قاتلوں کا ساتھی تھا۔

قاتلوں کے پولیس سٹیشن پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد ہی شیر خاں بھی گرفتار ہو چکا تھا۔ پہلے تو اس نے ہر بات سے صاف انکار

www.pdfbooksfree.pk

گیا لیکن اپنے ساتھی قاتلوں کو سامنے دیکھ کر اس کی سیٹی گم ہو گئی اور پھر اس نے سارا راز اگل دیا۔

اس نے چھپ کر وہ گفتگو سن لی تھی جو خان بہادر اور کرم بخش کے درمیان ہوئی تھی۔ اس کا رابطہ ان چوروں اور قاتلوں کے ساتھ پہلے سے ہی تھا اور اس نے ان کے ساتھ مل کر حویلی کا قیمتی سامان چوری کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

تصویر پر کوئلے سے عبارت بھی اس نے لکھی تھی اور اس نے لکھی تھی تاکہ چوری کا شبہ کرم بخش پر ہو۔ جب وہ تصویر پر عبارت لکھ چکا تھا تو اچانک خان بہادر کمرے میں آ گئے تھے۔ وہ تصویر پر جھک گئے تھے اور اس نے راز کھل جانے کے خوف سے ان پر پیچھے سے وار کر کے انہیں ختم کر دیا تھا۔

اس کے بعد کرم بخش حویلی کی طرف آیا تو اس نے اور اس کے ساتھیوں نے اس پر یک دم حملہ کر کے اسے زخمی اور بے ہوش کر دیا تھا۔

قبرستان میں گڑھا انہوں نے پہلے سے کھود رکھا تھا، اس لئے سارا مال دولت اور خان بہادر کا سر وہاں دبا کر اور اسے ایک قبر کی صورت دے کر وہ بڑے اطمینان سے چلے گئے تھے اور انہیں یقین تھا کہ معاملہ ٹھنڈا ہو جانے پر وہ بڑی آسانی سے تمام مال دولت کسی کو پتا چلے بغیر قبرستان سے

نکال لیں گے ـــــ لیکن خان بہادر کے بھوت نے ظاہر ہو کر ان کے تمام کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔

سید باقر حسین شاہ کی تحقیقات اپنے انجام کو پہنچ چکی تھی۔ خان بہادر کا سر اور ان کی حویلی سے چوری شدہ تمام قیمتی سامان برآمد ہو چکا تھا۔ قاتل گرفتار ہو چکے تھے ـــــ کرم بخش اور رحمت کی بے گناہی ثابت ہو چکی تھی۔

اور یہ سب کچھ دولت پور کے چور ـــــ کرم بخش کے ذہین بھتیجے ـــــ رحمت کی ذہانت کی بدولت ممکن ہوا تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

یہ اب سے کئی سال پہلے کی باتیں ہیں۔ پہلے کی طرح گدھا گاڑی اب بھی کرم بخش کے پاس ہے لیکن اب وہ چوری نہیں کرتا۔ گدھا گاڑی پر مٹی کے تیل کا ڈرم رکھے گلی گلی محلے محلے مٹی کا تیل فروخت کرتا ہے۔ سید باقر حسین شاہ کی باتوں سے متاثر ہو کے اس نے چوری چکاری سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی تھی۔ مٹی کے تیل کی فروخت کا یہ کام بھی اسے انہوں نے ہی دلایا تھا۔

رہا رحمت ـــــ تو اس کی ذہانت سے سید باقر حسین شاہ اس قدر متاثر ہوئے تھے کہ کرم بخش سے اصرار کر کے اسے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اس کے نتیجے میں رحمت کی دنیا ہی بدل

www.pdfbooksfree.pk

گئی۔ سید باقر حسین شاہ نے اسے تعلیم دلوائی اور پھر اپنے ہی محکمے میں ملازم کروا دیا — دولت پور کا وہ چور جو کئی جانوروں کی بولیاں بول لیتا تھا اور دُور سے آتے ہوئے آدمی کے قدموں کی چاپ سن کر اسے پہچان لیتا تھا۔ آج وہ سید باقر حسین شاہ کے محکمے کا ایک انتہائی ذہین اہلکار ہے جو اپنی قابلیت سے بڑی بڑی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھا لیتا ہے۔

Courtesy of
www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.org

موت کا تعاقب

پوری تاریخ عالم سے ترتیب والے ایک ایک واقعہ پورے ناول کے انداز میں۔ واقعات نہایت دلچسپ و حیرت انگیز۔ اے حمید صاحب ۵ ناول لکھ چکے ہیں اور ابھی صرف ۱۰ آخری تک چھپے ہیں۔ انشاء اللہ جلد ہی باقی حصے بھی ساتھ ساتھ شائع ہوتے رہیں گے۔

①	مصر کی ملکہ	صفحات	۱۳۶	قیمت	۳/۵۰
②	فرعون کی تباہی	〃	۱۴۰	〃	۳/۵۰
③	پھانسی کے تختے پر	〃	۱۶۰	〃	۴/۰
④	شہزادے کا اغوا	〃	۱۴۸	〃	۳/۷۵
⑤	روحوں کا شہر	〃	۱۴۴	〃	۳/۵۰
⑥	ہڑپہ کا شیش ناگ	〃	۱۴۸	〃	۳/۵۰
⑦	زہر کا پیالہ	〃	۱۴۴	〃	۳/۵۰
⑧	مردوں کی سرائے	〃	۱۵۶	〃	۴/۰
⑨	مکڑے کا جال	〃	۱۶۴	〃	۴/۰
⑩	میں سانپ ہوں	〃	۱۳۲	〃	۳/۵۰

انتہائی دلچسپ، عبرت ناک اور سچے واقعات